الھدیٰ (188)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ النساء (آیت 7 تا 10)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا
مَّفْرُوْضًا ⑦ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ
تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا
يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ⑩﴾

''جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں' تھوڑا ہو یا بہت' اس میں مَردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ یہ حصے (اللہ کے) مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اور جب میراث کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج آ جائیں تو اُن کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو اور ان سے شیریں کلامی سے پیش آیا کرو۔ اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو (ایسی حالت میں ہوں کہ) اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور اُن کو اُن کی نسبت خوف ہو (کہ اُن کے مرنے کے بعد ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا) پس چاہیے کہ یہ لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور معقول بات کہیں۔ جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اور وہ جلد دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔''

والدین اور رشتہ دار جو ترکہ چھوڑیں اس میں مردوں کا حصہ بھی ہے اور اسی طرح والدین اور رشتہ داروں کی چھوڑی ہوئی وراثت میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ مالِ وراثت چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ بہرحال اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصے کے مطابق وہ مال وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ اس آیت کے ذریعے پہلی مرتبہ عورتوں کو وراثت کا حق دیا گیا ورنہ عرب کے معاشرے میں عورت کا وراثت میں کوئی حصہ نہ تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم میں کتنی مرتبہ تاکید کے ساتھ عورتوں کے حقِ وراثت کا ذکر آیا ہے' مگر ہمارے معاشرے میں اس حکم کا کوئی لحاظ نہیں۔ نماز روزے کے پابند لوگ بھی بیٹیوں کو وراثت میں سے حصہ دینے کے لیے کسی صورت تیار نہیں ہوتے۔ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ حکمِ شریعت کے مقابلے میں رسم و رواج کی پابندی بہت بڑا گناہ ہے۔

جب وراثت کی تقسیم ہو رہی ہو تو اگر وہاں کچھ مفلس قرابت دار بھی آ جائیں' کوئی یتیم اور مسکین بھی کچھ ملنے کی اُمید لے کر آ جائیں تو انہیں اس مال میں سے کچھ نہ کچھ دے دیا کرو تا کہ اُن کی کوئی ضرورت پوری ہو جائے۔ ایسے موقع پر ان لوگوں کو اگر کچھ نہیں دے سکتے تو اُن کو جھڑکو مت' بلکہ اُن کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرو کہ وہ تو پہلے ہی محرومی کا شکار ہیں۔ اگر اُن کو ڈانٹو گے تو اُن کے کرب میں اور اضافہ ہوگا۔

تقسیمِ وراثت کے اس موقع پر لوگوں کو چاہیے کہ خوفِ خدا دل میں رکھیں اور یہ خیال کریں کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد' چھوٹے بچے یتیم چھوڑیں تو انہیں اپنے بچوں کے بارے میں کیسے کیسے اندیشے ہوں گے۔ تو اب خوفِ خدا کے تحت اگر کوئی کمزور' نادار یا یتیم تقسیمِ وراثت کے وقت موقع پر آ جائیں تو اُن کی دلجوئی کا سامان کیا جائے کہ آخر یہ بھی کسی کے بچے ہیں' ان کا بھی کوئی باپ تھا جس کی شفقت سے یہ محروم ہو گئے ہیں۔ تو ان کے سر پر محبت بھرا ہاتھ رکھو اور ان سے بڑی صاف ستھری صحیح اور حق پر مبنی بات کرو' ایسی بات کہ جس سے اُن کے دل مزید آزردہ نہ ہوں۔

یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال ناحق ہڑپ کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ڈال رہے ہیں۔ تو وہ دوہری آگ کا شکار ہوں گے۔ ایک آگ تو اُن کے اندر پیٹ میں ہوگی اور دوسری آگ جہنم کی جس کے اندر وہ ڈالے جائیں گے۔ یہ دس آیتیں بہت جامع ہیں کہ ان میں معاشرے کے محروم اور پس ماندہ طبقات میں سے ایک ایک کا ذکر کر کے بڑی حکمت کے ساتھ اُن کی مدد کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔

فرمانِ نبویؐ

چودھری رحمت اللہ بٹر

اسلام کا نظامِ حکومت شورائی ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((لَوْ كُنْتُ مُؤَمِّرًا اَحَدًا دُوْنَ مَشْوَرَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَاَمَّرْتُ ابْنَ اُمِّ عَبْدٍ)) (مسند احمد)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی کو امیر مقرر کرتا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو امیر بناتا''۔

مطلب یہ ہے کہ حکومت کا نظام شورائی ہونا چاہیے۔ ریاست کے سربراہ کا تقرر سب مسلمانوں کے مشورے اور رائے سے عمل میں آئے۔ کیونکہ اسلام میں بادشاہت اور آمریت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اسلام کے نظامِ حکومت اور سیاست کا یہ بنیادی اُصول بتا دیا ہے کہ کسی شخصِ واحد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی مرضی اور مشورے کے بغیر اقتدار پر قبضہ کر لے اور طاقت کے بل بوتے پر اپنی رائے کو مسلط کرنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ تھی کہ نبی ﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کو اُمت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تا کہ وہ باہمی مشورے کے بعد جس کو اہل سمجھیں حاکم بنا لیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

28 مئی: یوم تکبیر؟

1974ء میں بھارت نے پہلی مرتبہ ایٹمی تجربہ کیا تو اُس وقت پاکستان کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ انہوں نے کابینہ کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا اور فیصلہ کیا کہ بھارت کے ایٹمی دھماکے سے خطے میں طاقت کا جو عدم توازن پیدا ہوا ہے' یہ جنوبی ایشیا کے لیے بہت خطرناک ہے اور اب پاکستان کے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں سوائے اس کے کہ ہم بھی ایٹمی قوت بننے کی بھرپور کوشش کریں تاکہ خطے میں ایک بار پھر طاقت کا توازن قائم کیا جا سکے۔ خوش قسمتی سے اسی دوران ہالینڈ سے آئے ہوئے ایک پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر نے وزیر اعظم سے ملاقات کی اور مختصر مدت میں یورینیم کو افزودہ کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ بھٹو نے تمام سہولیات اور وسائل فراہم کرنے کی یقین دہانی کرائی اور اپنے وطن سے محبت کرنے والا وہ سائنس دان سب کچھ چھوڑ کر پاکستان منتقل ہو گیا اور مشنری جذبہ سے اپنے ہدف کو حاصل کرنے کے لیے دنیا سے لاتعلق ہو کر کہوٹہ کی لیبارٹری میں گم ہو گیا۔ ابھی کام شروع ہوا ہی تھا کہ یورپ اور امریکہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ہالینڈ نے الزام لگایا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر نے فارمولا ہالینڈ سے چوری کیا ہے اور ملکی قوانین کے مطابق بہت سے مقدمات ڈاکٹر عبدالقدیر کے خلاف قائم کر دیے۔ امریکہ نے سیاسی دباؤ ڈالنا شروع کیا جس پر بھٹو کا ردعمل تھا ''گھاس کھا لیں گے ایٹم بم ضرور بنائیں گے''۔ ہنری کسنجر جو نکسن حکومت کی ناک کے بال تھے وہ پاکستان کو ایٹمی راستے سے ہٹانے کے لیے خود پاکستان آئے اور گورنر ہاؤس لاہور میں وہ تاریخ ساز دھمکی دی جو بعد میں ایک حقیقت کا روپ دھار گئی۔ انہوں نے کہا ''مسٹر بھٹو ایٹم بم بنانے کا خیال ترک کر دو ورنہ تمہارا حشر عبرتناک ہو گا''۔ بھٹو نے یہ خیال ترک نہ کیا اور پھانسی چڑھ گیا۔ امریکہ کا خیال تھا ایٹم بم کا بھوت صرف بھٹو کے سر پر سوار ہے۔ اس سے نجات حاصل کر کے ایٹم بم کی تیاری کی طرف پاکستان کی پیش رفت روک دی جائے گی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی دوران علاقے میں زبردست سیاسی اور فوجی تبدیلیاں واقع ہوئیں جن سے پاکستان یکدم امریکہ کی زبردست ضرورت بن گیا۔ ایران میں خمینی نے انقلاب برپا کر کے شاہ کو ملک بدر کر دیا اور سویت یونین نے افغانستان میں فوجیں داخل کر دیں۔ نکسن وائٹ ہاؤس سے ذلت آمیز طریقہ سے نکالا جا چکا تھا اور امریکہ کا صدر کارٹر جیسا کمزور انسان بن گیا تھا۔ افغانستان پر سویت یونین کے حملہ سے اُس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُسے ہر قیمت پر پاکستان کا تعاون درکار تھا۔ لہٰذا پاکستان کی ایٹمی پیش رفت سے انہیں صرف نظر کرنا پڑا۔ پاکستان میں اس وقت فوجی راج تھا۔ جنرل ضیاء الحق سربراہ مملکت اور حکومت تھے۔ ضیا الحق کے دور میں پاکستان یورینیم کو افزودہ کر کے کولڈ ٹیسٹ کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کامیابی کو مکمل طور پر صیغہ راز میں رکھا گیا۔ اُس راز کو اُس وقت افشاں کرنا پڑا جب ضیا دور میں راجیو گاندھی پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے تُل گیا تھا۔ ایک بھارتی صحافی کو ڈاکٹر عبدالقدیر کا انٹرویو کرا دیا گیا۔ ایک منصوبہ کے تحت ڈاکٹر صاحب سے یہ بیان دلایا گیا کہ ہم ایٹم بم بنا چکے ہیں' اس بیان نے دونوں ممالک کے درمیان جنگ روک دی۔ سویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد ایک بار پھر پاکستان امریکہ کے لیے غیر ضروری ہو گیا۔ سویت یونین کی افغانستان سے پسپائی اور امریکہ کی کامیابی سے پاکستان کو ہیروئن' کلاشنکوف کلچر اور دہشت گردی کی لعنت کے سوا کچھ نہ ملا۔ البتہ ضیاء الحق' غلام اسحاق خان' بے نظیر اور نواز شریف نے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے لیے تمام رکاوٹوں کے باوجود پیش رفت جاری رکھی۔ بھارت میں **BJP** جیسی متعصب اور مسلمانوں سے نفرت کرنے والی جماعت برسر اقتدار آ گئی۔ اُس نے **11** مئی **98**ء کو ایٹمی دھماکہ کیا اور پاکستان کے خلاف ایسے اشتعال انگیز بیان جاری کرنا شروع کیے جیسے وہ جلد ہی پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ تب نواز شریف حکومت نے ایک جرأت مندانہ فیصلہ کیا اور تمام امریکی دھمکیوں اور ترغیبات کو رد کرتے ہوئے **28** مئی **98**ء کو چار دھماکے کیے اور ایک روز کے وقفہ سے دو مزید دھماکے کیے اور پاکستان ایک ایٹمی ملک بن گیا۔

ان دھماکوں کے بعد **BJP** کے اچھل کود کرنے والے لیڈر جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ عالم اسلام میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہی وقت تھا جب سعودی عرب کے شہزادہ عبداللہ نے نواز شریف کو اپنا بھائی قرار دیا جسے وہ آج تک نبھا رہے ہیں۔ جب ایٹمی دھماکوں کو ایک سال ہونے کو تھا تو شریف حکومت نے عوام سے رائے مانگی کہ اس دن یعنی **28** مئی کو کس نام سے پکارا جائے۔ عوامی رائے کے مطابق اسے یوم تکبیر قرار دیا گیا۔ **28** مئی کا دن یقیناً بہت اہم ہے۔ یہ دن پاکستان کے دشمنوں اور حاسدوں کے لیے سوہانِ روح بن گیا اور تحفظ پاکستان کے حوالہ سے دشمنوں کے راستے کا پتھر ثابت ہوا۔ اس دن دشمنوں کے مذموم ارادے خاک میں مل گئے۔ اس دن کو کوئی اچھا سا نام دیا جا سکتا ہے لیکن اسے یوم تکبیر کا نام نہیں دیا جانا چاہیے۔ ہمارے نزدیک یوم تکبیر تو وہ ہو گا جب پاکستان اسلامی نظام کا دھماکہ کرے گا۔ جس دن ہم یہ اعلان کریں گے کہ آج سے ہمارے آئین میں کوئی خلافِ اسلام شق باقی نہیں رہے گی' جس دن یہ اعلان کیا جائے گا کہ ہماری عدالتیں صرف قرآن اور (باقی صفحہ 7 پر)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

نداۓ خلافت

شمارہ		جلد
20	2 تا 8 مئی 2005ء 24 تا 30 ربیع الثانی 1426ھ	14

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا

فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 250 روپے

بیرون پاکستان

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر

''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں

چیک قبول نہیں کیے جاتے

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا تمام مضمون نگار حضرات کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

سید قاسم محمود

جاوید سے

غارت گرِ دیں ہے یہ زمانہ — ہے اس کی نہاد کافرانہ
دربارِ شہنشہی سے خوشتر! — مردانِ خدا کا آستانہ!
لیکن یہ دورِ ساحری ہے — انداز ہیں سب کے جادُوانہ
سرچشمۂ زندگی ہوا خشک — باقی ہے کہاں مئے شبانہ
خالی ان سے ہوا دبستان — تھی جن کی نگاہ تازیانہ
جس گھر کا مگر چراغ ہے تو — ہے اس کا مذاق عارفانہ
جوہر میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف — تعلیم ہو گو فرنگیانہ
شاخِ گل پر چہک ولیکن — کر اپنی خودی میں آشیانہ
وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا — ہر قطرہ ہے بحرِ بیکرانہ
دہقان اگر نہ ہو تن آساں — ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ!

"غافل منشیں نہ وقتِ بازی ست
وقتِ ہنر است و کارسازی ست"

"ضربِ کلیم" میں تین نظمیں "جاوید سے" کے عنوان سے شامل ہیں' جن میں علامہ صاحب نے اپنے فرزند جاوید اقبال کو مخاطب کر کے کہی ہیں۔ جاوید سے خطاب کے ذریعے دراصل نوجوانانِ ملت سے خطاب ہے۔ یہاں پہلی نظم کی تشریح دی جا رہی ہے۔ اقبال کے ہر شعر کی تہہ میں جو معانی کے خزانے پوشیدہ ہیں' اُن کو سمجھنے کے لیے خود غور و فکر کرنا چاہیے۔ یہ سلسلۂ تشریح تو تفہیم اقبال کے لیے محض ایک تحریک کی حیثیت رکھتا ہے۔

(1) غارت گرِ دیں: دین کا دشمن۔ دین کو تباہ کرنے والا۔ نہاد: سرشت' بنیاد۔ عصرِ حاضر دینِ اسلام کا دشمن ہے' اس لیے کہ اس کی بنیاد ہی کافرانہ ہے جو مغرب کے کفر و الحاد پر مبنی نظریات پر رکھی گئی ہے۔

(2) بادشاہوں کا دربار' افسرانِ بالا کے دفتر' حکمرانوں کی سرکار میں خوشامدانہ حاضری سے اللہ والوں اور اہلِ فکر و نظر کی خدمت میں حاضر ہونا کہیں بہتر ہے۔ اس لیے کہ فیض وہیں سے مل سکتا ہے۔

(3) لیکن کیا کیا جائے' یہ زمانہ اور اس کے انداز ہی ایسے ساحرانہ ہیں کہ مسلم نوجوان اہلِ فکر و نظر کی خدمت گزاری پر حکومت کی پیش گزاری کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس طرح جادوگر ہمارے خیالات اور ہماری نظروں کو باندھ دیتا ہے اور نقل چیزوں کو اصل چیز بنا کر پیش کرتا ہے' اور ہمیں فریبِ نظر میں ڈال کر ایسی ایسی چیزیں دکھاتا ہے' جن کا وجود تک نہیں ہوتا' اس طرح عہدِ حاضر بھی جادوگر ہے' اس نے ہماری نظروں اور ہمارے خیالات کو ایسے فریب میں مبتلا کر دیا ہے کہ ہمیں اصل حقیقت نظر نہیں آتی۔

(4) مغرب کی جادوگری سے ایسی ہوا چلی ہے کہ زندگی کا سرچشمہ خشک ہو گیا ہے' اور وہ شراب جو ہمارے زمانۂ عروج میں ہمارے آباء نوجوانوں کو پلاتے تھے' یعنی علم و معرفت کی شراب' وہ اب ختم ہو چکی ہے۔

(5) عصرِ حاضر کے سکول' کالج اور یونیورسٹیاں اُن اساتذہ سے خالی ہو چکے ہیں' جن کی نگاہ اپنے شاگردوں کو راہِ راست پر رکھنے کے لیے تازیانے کا کام دیتی تھیں' اور جن کی محبت آمیز نظر سے طلبہ کی صحیح تربیت بھی ہوتی تھی۔

(6) لیکن اے جاوید! تُو جس گھر کا چراغ ہے' جس خاندان کا تُو فرد ہے' اس کا ذوق اور مزاج ہمیشہ سے علم دوست اور معرفت پسند رہا ہے۔ تجھے چاہیے کہ اس ذوق کو اپنے اندر زندہ رکھ۔

(7) اس شعر میں اقبال نے نوجوانانِ ملت کی ہدایت اور رہبری کے لیے ایک اُصول بیان کیا ہے' کہ اگر اُس کی سرشت میں توحیدِ الٰہی کی روح موجود ہے' تو بے شک مغربی تعلیم خواہ کتنی بھی حاصل کی جائے' اُس کی فطرت میں فساد نہ ہوگا۔ اہلِ ایمان مغربی تعلیم سے وہی چیز حاصل کریں گے جو بحیثیت مسلمان اُن کے لیے فائدہ مند ہوں گی۔

(8) جس طرح کہ پرندہ پھولوں کی ٹہنی پر چہکتا ہے' لیکن نظر اپنے گھونسلے پر رکھتا ہے' اسی طرح تو بھی اے مسلم نوجواں! جہاں چاہے جا' جو چاہے پڑھ' مشرقی علوم حاصل کر یا مغربی' لیکن ہر جگہ اور ہر وقت اپنے گھونسلے کو' اپنے دین کو' اپنی اقدار اور روایات کو پیش نظر رکھ۔

(9) انسان زمین پر اللہ کا نائب ہے' دیکھنے میں معمولی اور کمزور ہے' لیکن خودی کی وجہ سے اس کے اندر اتنا وسیع اور گہرا سمندر ہے کہ جس کا ہر قطرہ بجائے خود بے کراں سمندر ہے۔

(10) انسان کو اللہ کی نیابت فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عطا ہوئی ہے۔ جس کے لیے محنت' کاوش اور جدوجہد بنیادی چیز ہے۔ دیکھو' اگر کسان آرام طلب نہ ہو' بلکہ محنت کش ہو اور رات دن خون پسینہ ایک کر کے محنت مشقت کا عادی ہو تو اس ایک دانے سے جو وہ زمین میں بوتا ہے' ہزار ہزار دانے نکالتا ہے۔

(11) اے جاوید' اے نوجواں مسلم! غافل ہو کر نہ بیٹھ جا۔ یہ تفریح' عیش و آرام اور کھیل کود کا وقت نہیں ہے' کوئی ہنر سیکھنے اور کام کرنے کا وقت ہے۔

دو انجام - دو انتہائیں

بحوالہ سورۃ الغاشیہ

مسجد دار السلام' باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 13 مئی 2005ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

سورۃ الاعلیٰ کے بعد اب ہمیں سورۃ الغاشیہ کا مطالعہ کرنا ہے۔ سورۃ الاعلیٰ اور سورہ الغاشیہ جڑواں سورتیں ہیں۔ آنحضور ﷺ جمعہ اور عیدین کی نماز میں بالعموم پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورہ غاشیہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس کی حکمتیں تو بے شمار ہوں گی جن کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز کے ساتھ خطبہ ہے اور خطبہ کا اصل مقصد تذکیر' تعلیم' یاد دہانی' وعظ اور نصیحت ہے۔ اس تذکیر کا آنحضور ﷺ کو تاکیدی حکم ان دونوں سورتوں میں آیا ہے۔ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝﴾ کہ اے نبیؐ! آپ تو وعظ کہتے رہیے' سمجھانے کی کوشش کرتے رہیے' تذکیر فرماتے رہیے' اللہ کے اس کلام کو لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی محنت کرتے رہیے۔ سورۃ الغاشیہ میں بھی یہی بات آئی: ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝﴾ اے نبیؐ آپ کو تو یہ کام کرتے رہنا ہے۔ تذکیر' نصیحت' یاد دہانی' وعظ۔ آپ تو ہیں ہی مُذَکِّر۔ وعظ کا اصل مقصد کیا ہوتا ہے۔ ایک اچھی بات کو جس میں انسان کا فائدہ ہے' جو حق ہے اسے دل پذیر انداز میں بیان کرنا کہ سننے والے کے دل میں اتر جائے۔ چونکہ دونوں سورتوں میں یہ مضمون آیا اور دونوں سورتوں کا مضمون بھی تذکیری ہے۔ اس لیے یہ سبب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ ان نمازوں میں کہ جن کے ساتھ خطبہ ہے جمعہ کی نماز' عیدین کی نماز' ان میں بالخصوص انہی دو سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

سورۃ الغاشیہ میں پہلے قیامت اور اہل جہنم کا ذکر ہے اور پھر اہل جنت کا تذکرہ ہے۔ اور بات کی گئی ہے بڑے چونکا دینے والے انداز میں۔ تیسویں پارے کی اکثر سورتوں میں یہ رنگ نظر آتا ہے۔ چونکا دینے' جھنجوڑ دینے کا انداز۔ ﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝﴾ زمانے کی قسم ہے' تمام انسان خسارے میں ہیں۔ ﴿اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝﴾ وہ کھڑکھڑانے والی' وہ کیا ہے کھڑکھڑانے والی۔ اسی طرح ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ یہ کس چیز کے بارے میں آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔ اس چھوٹی سی بستی مکہ میں کیا چیز ہے جس پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ ہر شخص اسی کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے ﴿عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ﴾ اس بڑی خبر یعنی قیامت کے بارے میں۔ مولانا حالی نے اسی حوالے سے بڑی خوبصورت بات کہی ۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ھادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

قرآن کا ابتدائی اور اصل پیغام یہی تھا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہی کل زندگی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا میں اس لئے بھیجا کہ عیش کرو۔ محض دنیا کمانے اور دنیا بنانے میں اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرو۔ نفع' فائدہ' مستقبل' کیریئر' یہ سارے الفاظ تم استعمال کرتے ہو صرف دنیا کے لیے۔ حالانکہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ جیسے موت تمہاری زندگی کی ایک بڑی حقیقت ہے۔ اسی طریقے سے تمہیں دوبارہ جی اٹھنا بھی ہے' اُس کی فکر کرو۔ وہ جو ایک وقت آنے والا ہے پوری نوع انسانی پر' جو آ کر رہے گا' جو شدنی ہے' یقینی ہے' قطعی ہے۔

یہی اسلوب سورۃ الغاشیہ کے آغاز میں نظر آتا ہے: ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝﴾ "کیا خبر پہنچی ہے تمہارے پاس الغاشیہ کی"۔ الغاشیہ وہ آفت ہے جو چھا جائے گی۔ یہ سب پر حاوی ہو جائے گی۔ استفہامیہ انداز ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم تک اس دن کی خبر پہنچ چکی ہے یا اب تک اگر نہیں پہنچی تو سن لو وہ آفت' وہ مصیبت سب پر چھا جائے گی۔ اب اس کی تشریح آگے آ رہی ہے۔ آگے میدانِ حشر کا نقشہ کھینچ دیا گیا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝﴾ دو قسم کی کیفیات ہیں۔ بہت سے چہرے ہوں گے اس دن ذلت و خواری میں ڈوبے ہوئے۔ جھکے ہوئے' رسوائی شرمندگی اور خجالت ان کے چہروں سے پڑھی جائے گی۔ ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝﴾ لفظی ترجمہ ہے' محنت زدہ اور تھکے ہوئے۔ یعنی پوری شخصیت جس کی عکاسی چہرے سے ہو گی۔ اس پر شدید محنت اور تھکاوٹ کے آثار ہوں گے جیسے کوئی شخص انتہائی محنت اور انتہائی مشقت طلب کام کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ ﴿تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝﴾ "وہ جا پڑیں گے بھڑکتی ہوئی' سلگتی ہوئی آگ میں"۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں آگ نظر آ رہی ہے' اپنا انجام نظر آ رہا ہے۔ وہ اسی کا ایندھن بنیں گے: ﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝﴾ آخرت میں عذاب کی جو شکل ہو گی قرآن مجید میں اس کی تفاصیل بہت جگہ آئی ہیں۔ ایک اصولی بات سمجھ لیجئے کہ آخرت میں دو انتہائی معاملات (Extremes) کی صورت حال ہو گی۔ کامیابی اور ناکامی کا اصل فیصلہ وہاں ہو گا۔ جو وہاں ناکام قرار پایا اس کے لئے سخت ترین عذاب ہے۔ ﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ﴾ تمہارے ذہن کی رسائی جہاں تک ممکن ہے۔ سخت تر اور سخت ترین' اس سے بھی زیادہ سخت۔ جو خوش نصیب وہاں کامیاب قرار پائیں گے ان کے لیے جو نعمتیں' راحتیں' آسائشیں ہوں گی وہ بھی تمہارے تخیل سے ماورا ہیں۔ بہرحال یہاں اسی انتہائی عذاب کا نقشہ ہے ﴿تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝﴾ بھڑکتی ہوئی جہنم میں جب ان کو جھونکا جائے گا۔ وہ شدید گھبراہٹ اور اندرونی جلن کی حالت میں پانی طلب کریں گے تو پلایا جائے گا انہیں کھولتے ہوئے چشمے کا پانی۔ اس کے لئے قرآن مجید میں اور مقامات پر ہے کہ وہ گرم پانی آنتوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ آگے فرمایا: ﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝﴾ "ان کے کھانے کے لیے اور کچھ نہ ہو گا سوائے ضریع کے"۔ یعنی وہاں جو شدید جس قسم کا عذاب ہے اس میں کھانے پینے کا ہوش کسے ہو گا۔ لیکن شدید گھبراہٹ کے عالم میں چاہیں گے کہ کچھ منہ مار لیں یا کچھ پی لیں کہ شاید اس سے یہ تپش اور اندرونی جلن کچھ کم ہو جائے۔ لیکن وہاں پینے اور کھانے کی جو چیزیں ملیں گی' اس سے ان کے عذاب کی شدت میں مزید اضافہ ہو گا۔ ضریع ایک کانٹے دار جھاڑی یا درخت ہے۔ اس کے بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ ضریع ایلوے سے زیادہ کڑوا' مردار سے زیادہ بدبودار اور کانٹوں بھرا ایک پودا یا جھاڑی ہے۔ ﴿لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝﴾ کوئی چیز کھانے کے تین ہی فائدے ہو سکتے ہیں۔ ایک لذت کا حصول' جس کی پچھلی آیت میں نفی ہو گئی۔ دوسرے

⇦

یہ کہ بھوک مٹ جائے اور پیٹ بھر جائے۔ تیسرے یہ کہ جزو بدن بن جائے اور جسم کو تقویت دے' تو فرمایا کہ نہ وہ جزو بدن بنے گا کہ ان کے اندر کوئی تقویت پیدا ہو اور نہ ہی اس سے بھوک ختم ہوگی۔ گویا یہ چیزیں بھی عذاب کی شدت میں اضافے کی ہیں۔ کسی کام آنے والی نہیں۔

اب دوسرے گروہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ٥﴾ ایک طرف یہ سخت عذاب ہے' لیکن دوسری طرف کچھ چہرے اس دن ہوں گے تروتازہ' شگفتہ' کھلے ہوئے۔ اگلے الفاظ پر توجہ کیجئے ﴿لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ٥﴾ ''اپنی محنت پر بہت مطمئن اور خوش''۔ کون سی محنت' اس دنیا میں محنت تو سب کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت کا رخ آخرت کی طرف تھا۔ انہوں نے آخرت کو اور اپنے دین کو مقدم رکھا۔ جس کسی نے دنیا کو اور یہاں کے فائدے کو مقدم رکھا' محنت تو اس نے بھی کی لیکن اس کے لئے آخرت میں کچھ نہیں ہے۔ وہ پچھتائے گا ﴿يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ ایسے لوگوں کی زبان پر الفاظ آئیں گے کاش کہ ہم مٹی ہوتے۔ کاش کہ ہمارے وجود کو معدوم کر دیا ہوتا' آج جہنم کے عذاب سے تو بچتے۔ جبکہ اہل جنت' جن کے داہنے ہاتھ میں ان کا اعمال نامہ تھمایا جائے گا۔ وہ اپنی محنت سے بڑے مطمئن خوش اور مسرور ہوں گے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ آخرت کی کامیابی کے لیے بھی محنت ضروری ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ جس کسی نے آخرت کو اپنی منزل قرار دیا' اپنا ہدف بنایا پھر اس کے لئے محنت اور کوشش کی جیسا کہ اس کیلئے محنت اور کوشش ہونی چاہئے اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو تو ایسے لوگوں کی محنت اللہ کے ہاں ثمر آور ہوگی۔ دنیا میں پانچ مرلے کا پلاٹ حاصل کرنے کے لئے کتنی محنت کرتے ہو۔ آخرت میں وہ جنت جس کا طول و عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اس کے لیے بھی بھرپور محنت کرنا ہوگی۔ اور یہ ساری محنت خلوص اور اخلاص کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ ''ایسے لوگوں کی محنت اور سعی اللہ کے ہاں مقبول قرار پائے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس محنت کا بہترین اجر عطا فرمائے گا جنت کی صورت میں۔ یہی بات یہاں سورۃ الغاشیہ میں بیان ہو رہی ہے۔ فرمایا ﴿فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ٥﴾ یہ لوگ بلند و بالا باغات میں ہوں گے۔ اب دیکھئے یہاں جن نعمتوں کا ذکر ہے وہ دراصل انسانی ذہن کے قریب ہو کر بات کی گئی ہے۔ کیونکہ اس وقت انسان کے لیے جو اعلیٰ ترین نعمتوں کا تصور ہو سکتا تھا' خاص طور پر قرآن مجید کے پہلے مخاطبین مشرکین عرب' اہل مکہ تھے' ان کے لئے آسائش کا تصور باغات اور چشموں ہی کا تھا۔ مثلاً طائف کا علاقہ جیسے ہمارے یہاں مری کا علاقہ ہے۔ ٹھنڈا پہاڑی علاقہ۔ وہاں چشمے' باغات ہوتے ہیں۔ مکہ کے جو قریشی سردار تھے ان کی جائیدادیں طائف میں ہوتی تھیں۔ وہ گرمیاں وہاں گزارا کرتے تھے۔ یا پھر انسانی ذہن میں آسائش کا تصور یہ تھا کہ بادشاہوں کی سی ٹھاٹھ باٹھ ہو۔ ایک انسان کا تخیل اس سے آگے جا ہی نہیں سکتا' تو یہاں انہی چیزوں کی باتیں ہو رہی ہیں۔ وگرنہ جنت کی نعمتوں کا ہم ادراک بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا بات سمجھانے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ جو تم نعمتیں سمجھتے ہو وہ سب بھی تمہیں ملیں گی اور اس کے علاوہ لامحدود نعمتیں جو تمہیں ملیں گی ان کا تم ادراک ہی نہیں کر سکتے۔

آگے فرمایا: ﴿لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ٥﴾ اس میں وہ کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ یعنی کوئی تکلیف' مشقت اور رنج یا صدمہ تو دور کی بات ہے انہیں وہاں کسی قسم کی کوفت بھی نہیں اٹھانا پڑے گی' اچھا ذوق رکھنے والا آدمی لغویات سن کر بھی ایک کوفت محسوس کرتا ہے۔ اس کی طرف اشارہ کیا کہ کوئی لغویات بھی وہاں سننے کے لیے نہیں ہوگی' ﴿فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ٥﴾ اس میں ایک چشمہ ہوگا۔ رواں دواں' بہتا ہوا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی چشمہ ہوگا' بہت سے چشمے ہوں گے۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر دوسرے مقامات پر ملتا ہے۔ آگے فرمایا: ﴿فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ٥﴾ ''وہاں تخت ہوں گے اُونچے اُونچے'' تخت سے مراد ہے' بادشاہوں کے بیٹھنے کا مقام' تخت شاہی جو بلند ہوں گے یعنی ایسی جگہ پر جہاں سے وہ نظارہ کر سکیں' پورے ماحول کا۔ اُس خوبصورت لینڈ سکیپ کا دلکش نظارہ۔ ﴿وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ٥﴾ اور آب خورے ہوں گے یعنی پینے کے جام' پیالے' جو بڑے قرینے سے لگے ہوں گے۔ ﴿وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ٥﴾ اور غالیچے اور قالین ہوں گے بڑے ترتیب سے' بڑے عمدگی سے لگے ہوئے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ انسان کے ذہن میں ایک شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ' قیصر و کسریٰ کے دربار کا جو تصوّر اُس دور میں تھا اسی کے حوالے سے وہاں کے آسائش کی منظر کشی کی جا رہی ہے ﴿وَّزَرَابِىُّ مَبْثُوْثَةٌ ٥﴾ اور سب طرف گاؤ تکیے' مخمل کے نہالچے پھیلے ہوں گے۔ جہاں چاہے کوئی آرام کرے۔

اب اس کے بعد انداز بدل رہا ہے جنت اور جہنم کا نقشہ کھینچ دیا گیا۔ اب خطاب مشرکین عرب سے ہے۔ ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ٥﴾ ''کیا وہ دیکھتے نہیں اونٹ کہ ہم نے کیسے اس کو تخلیق فرمایا' کیسے پیدا کیا''۔ تم اللہ کا اور آخرت کا انکار کر رہے ہو کہ دوبارہ کیسے اٹھیں گے۔ تمہیں تعجب ہے کہ اتنا سخت عذاب کیسے ہوگا اور اتنی نعمتیں کیسے اللہ عطا فرمائے گا۔ تم دیکھتے نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں تمہارے سامنے جا بجا پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر اس کی خلاقی' اس کی قدرت کاملہ' اس کی صناعی' اس کی کاریگری پر غور کرو تو تمہیں آخرت' جنت' دوزخ پر تعجب نہ ہو۔ یہاں چار نشانیوں کا تذکرہ فرمایا۔ مشرکین عرب کا ذریعہ معاش تجارت تھا جس کے لیے وہ سفر کرتے تھے اور اونٹوں پر جاتے تھے۔ صحرا میں سے گزرتے تھے۔ ان کی زندگی کے حوالے سے چار چیزیں اس سفر میں بہت ہی نمایاں تھیں' سب سے پہلے اونٹ' سفر اور حضر کا ساتھی' وہ چاہے کہیں مقیم ہوں' ساری ضرورتیں اسی اونٹ سے پوری ہو رہی ہیں۔ چنانچہ فرمایا: تمہارے لیے وہ جانور پیدا کیا جو صحرا میں تمہارے لیے بہترین ساتھی ہے۔ تمہاری تمام ضروریات اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھ دیں۔ ہمارے ہاں تو اونٹ کے بارے میں محاورہ ہے کہ ''اونٹ رے اونٹ تیری کون کل سیدھی'' وہ اس لیے کہ بظاہر احوال اگر صحرا کی زندگی کا تصور نہ ہو تو اس کی ہر کل ٹیڑھی نظر آتی ہے۔ لیکن صحرا کے اعتبار سے دیکھیں تو اس کی ہر کل سیدھی ہے۔ اس کے پاؤں وہ بنائے جو ریت کے اندر دھنسیں گے نہیں۔ جبکہ گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں۔ پھر یہ کہ کئی کئی دن نہیں' کئی کئی ہفتے بغیر کھائے پیے سفر کر سکتا ہے۔ سخت ترین گرمی برداشت کر سکتا ہے۔ صحرا میں عموماً کانٹے دار جھاڑیاں یا وہ کیکر ہوتا ہے جس کے پتے بہت بلندی پر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی لمبی گردن اور اونچے قد کے باعث بڑی آسانی سے کیکر کے درخت سے اپنی غذا حاصل کر لے گا اور اس کو ایسے ہونٹ عطا کیے ہیں کہ سخت ترین کانٹے دار جھاڑیوں میں سے بھی اپنی خوراک سمیٹ لیتا ہے۔ کیا یہ نگاہ نہیں ڈالتے اونٹ ہی کی طرف کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام ضروریات کا سامان اس جانور کے اندر رکھ دیا۔ یہ کوئی اتفاقی بات ہے۔ غور کرو' یہ اللہ تعالیٰ کی خلاقی ہے۔ اس کی قدرت کا ایک نمونہ ہے جو ہر وقت تمہارے سامنے ہے ﴿وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ٥﴾ ''اور آسمان کی طرف نگاہ نہیں ڈالتے کیسے اس کو بلند کیا گیا''' ان کے سفر میں خاص طور پر رات کے وقت وہ سفر کرتے تھے' ان کے نشانات منزل ستارے ہوتے تھے۔ آج بھی بحری سفر اور صحراؤں میں ستاروں کے ذریعے سے سمت کے تعین کا کام لیا جاتا ہے۔ صحرا میں تو کوئی راستے بن نہیں سکتے۔ اس دور میں تو ممکن ہی نہیں تھا۔ جنگل میں تو پگڈنڈی ہوتی ہے' آدمی کو پتا ہے یہ راستہ جا رہا ہے۔ صحرا میں تو ایک آندھی آئی اور اِدھر کا ٹیلا اُدھر چلا گیا' اور چند منٹ پہلے بھی اگر نشانات راہ تھے تو وہ صاف ہو گئے۔ وہاں راستے کے تعین کا ایک ہی طریقہ ہے' وہ آسمان کا مشاہدہ کرتے تھے' ستاروں کو دیکھتے تھے۔ اس سے راستے کا تعین ہوتا تھا۔ لہٰذا ان کی توجہ اس طرف کروائی جا رہی ہے۔ ﴿كَيْفَ رُفِعَتْ﴾ دیکھا کیسے اس آسمان کو اٹھایا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر اور انداز میں بھی ہے ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا﴾ ہم

نے آسمان کو ایک محفوظ چھت کی طرح بنا دیا۔ جدید سائنس سے بھی اس کی توثیق ہو رہی ہے۔ زمین کا فضائی کرہ جو لگ بھگ دو سو میل کے فاصلے سے شروع ہو رہا ہے' اس کی مختلف Layers ہیں' اور اس کے باہر سے آنے والا ہر Object جو اس کرّے میں داخل ہونا چاہتا ہے' جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ خدائی انتظام نہ ہوتا تو ہماری یہ زمین کب کی ملیامیٹ ہو چکی ہوتی۔ یہاں سے حیات کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ یہ محفوظ چھت اللہ نے ہماری حفاظت کے لیے بنائی ہے۔ یہ ستارے اور سیارے جو گردش کر رہے ہیں' کون سا نظام ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے۔ ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا﴾ (الرعد:2) اللہ وہ ہستی ہے جس نے آسمان کو بلند کیا بغیر ستونوں کے۔ یہ سارا نظام اس کا بنایا ہوا ہے۔ آگے فرمایا ﴿وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ o﴾ "اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے گاڑ دیئے گئے" قافلے جو چلتے تھے وہ عام طور پر وادی کے اندر سفر کرتے تھے دونوں طرف پہاڑ ہیں۔ حجاز تو ہے ہی پہاڑی علاقہ' تو کیا تم نے پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک بہت بڑا مظہر ہیں۔ کیسے انہیں میخوں کی طرح ٹھونک دیا گیا ﴿وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ o﴾ اور زمین کو نہیں دیکھتے" کہ کیسے بچھا دی گئی ہے۔ اس میں تم زراعت کرتے ہو' کاشتکاری کرتے ہو' اس میں تم اپنی نہریں نکالتے ہو' اس میں تم مکانات بناتے ہو۔ اس میں تم کشادہ راستوں میں چلتے ہو' یہ سب تمہاری ضرورت کی چیزیں ہیں۔ یہ کس نے مہیا کی ہیں۔ یہ کس کی خلاقی اور کس کی قدرت کے نمونے ہیں۔

اب وہ اہم آیت آ رہی ہے' جس میں نبی اکرم ﷺ کے فرضِ منصبی ذکر ہے۔ ﴿فَذَکِّرْ ط اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ o﴾ اے نبیؐ آپ تو سمجھاتے رہیے۔ وعظ فرماتے رہیے۔ آپ کا اصل کام یہی ہے۔ آپ مذکّر رہیں۔ تبلیغ اور تذکیر میں ایک فرق ہے۔ تبلیغ ہے اللہ کا پیغام پہنچا دینا۔ یہ بتا دینا کہ رب کی طرف سے یہ پیغام آیا ہے۔ کوئی متوجہ ہے یا نہیں۔ سننے والے میں کوئی آمادگی نظر آ رہی ہے یا نہیں' اب تم جانو' تمہارا کام۔ تمہیں بتا دیا گیا کہ آخرت آئے گی' موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اور اصل کامیابی ناکامی کا دن وہ ہے اور اصل زندگی وہ ہے۔ جبکہ تذکیر سے مراد ہے کسی کو سمجھانا' وعظ کہنا' دل میں اتارنے کو کوشش کرنا۔ اگرچہ رسول کا کام تبلیغ بھی ہے کہ ﴿مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر تذکیر بھی رسول کے ذمے ہے۔ سمجھانا' دل میں اتارنے کی کوشش کرنا۔ اسی لیے تیرہ برس مکے کی اس چھوٹی سی بستی میں آنحضور ﷺ دن رات یہی کام کرتے رہے۔ بار بار جا رہے ہیں' سمجھا رہے ہیں۔ تاہم ساتھ ہی یہ بھی واضح فرما دیا ﴿لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ o﴾ "آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں"۔ یعنی ہدایت پر بالفعل لے آنا یہ اللہ نے آپؐ پر ذمہ داری نہیں ڈالی۔ اور اگر یہ آپؐ کے سمجھانے سے نہیں سمجھ رہے ہے تو آپؐ پریشان نہ ہوں' غمگین نہ ہوں۔ اس لیے کہ آنحضور ﷺ کو یہ احساس ہوتا تھا کہ شاید میرے سمجھانے میں کوئی کسر رہ گئی ہو' میرے ابلاغ میں کوئی کمی رہ گئی۔ اس لیے فرمایا کہ اس کی آپؐ فکر نہ کیجئے' بس آپؐ نے سمجھا دیا' آپؐ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ اس سے آگے آپؐ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر یہ ہدایت پر نہیں آ رہے تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ آپؐ نہیں ہیں ﴿اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَکَفَرَ o﴾ سوائے اس کے کہ جس نے منہ پھیرا اور کفر کیا' انکار کیا یا ناشکری کی' یعنی جو تذکیر سے فائدہ اُٹھائیں گے وہ تو ان لوگوں میں ہوں گے جو بروز قیامت خوش و خرم ہوں گے۔ جنہوں نے منہ پھیر لیا' توجہ نہیں کی کہ قرآن کا پیغام کیا ہے۔ اور ناشکری کی روش اختیار کی' ان کے لیے فرمایا ﴿فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ الْعَذَابَ الْاَکْبَرَ o﴾ "اللہ تعالیٰ انہیں اس عذاب میں جھونکے گا جو بہت بڑا عذاب ہے"۔ لیکن ان آیات کو پڑھ کر یہ نہ سمجھئے کہ صرف مشرکین اور کفار کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس نے بھی اس آسمانی ہدایت سے قرآن کے پیغام سے منہ موڑا۔ اس کو نظر انداز کیا' وہ سب اس میں شامل ہیں۔ اور اس وقت امت مسلمہ کا اصل مسئلہ یہ ہے۔ اس قرآن سے منہ موڑنے کے باعث آج ہم اللہ کے عذاب کی زد میں ہیں اللہ کا تو وعدہ تھا ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ کہ تم ہی غالب اور سر بلند ہو گے (اس دنیا میں) اگر تم واقعی مومن ہوئے' تم نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا' اس قرآن کو مشعلِ راہ بنایا اور زندگی کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس کے مطابق استوار کیا۔ لیکن آج کون کون سی ذلتیں ہیں جو ہمیں نہیں اُٹھانی پڑ رہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ ہم نے قرآن سے منہ موڑا ہے۔ ہم قرآن کو مانتے ہیں۔ لیکن اس کے پیغام پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم مسلمان اگرچہ زبان سے تو قرآن کا انکار نہیں کر رہے لیکن عمل سے انکار ضرور کر رہے ہیں۔ بہرحال آگے فرمایا: ﴿اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ o﴾ آخر میں اللہ کی طرف سے ایک وارننگ ہے کہ دیکھو تم سب کو ہماری ہی طرف واپس لوٹ کر آنا ہے۔ یہ جو دنیوی زندگی میں کچھ اپنے مفادات کے تحت اپنے ایمان کا سودا کر لیتے ہو' جاؤ گے کدھر' آنا تو ہمارے پاس ہی ہے۔ ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ o﴾ اور پھر ہمارے ذمے ہے تمہارا حساب لینا۔ اس میں شدت جھلک رہی ہے کہ پھر اللہ حساب لے گا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ یہ ہے قرآن کا پیغام جو ان سورتوں کے حوالے سے ہے۔ یہی تذکیر ہے جو جا بجا قرآن مجید میں ہے اور اسی وجہ سے ان سورتوں کو آنحضور ﷺ اکثر نماز جمعہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قرآنی رہنمائی سے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(نوٹ: اس سورۂ مبارکہ کے اختتام پر یہ دعائیہ کلمات زبان پر آنے چاہئیں کہ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا)

(مرتب: فرقان دانش خان)

بقیہ: اداریہ

سنت کی روشنی میں فیصلے کریں گی' جس روز پارلیمنٹ میں قرآن اور سنت کی بالادستی کا اعلان کر دیا جائے گا' جس دن ایوان صدر' وزیر اعظم ہاؤس اور مرکزی و صوبائی سیکرٹریٹ میں ہر فیصلہ کرتے وقت یہ پوچھا جائے گا کہ اس معاملہ میں اللہ اور رسول ﷺ کے فرمودات کیا ہیں؟ جس روز سٹیٹ بنک آف پاکستان سود کو لعنت قرار دیتے ہوئے اپنی معاشی پالیسیاں اسلامی طرز پر استوار کرے گا' جس روز ہماری حکومت اور قیادت کسی بھی بڑی سے بڑی عالمی قوت کو یہ جواب دے سکے گی کہ فلاں فلاں بات کو ہم اس لیے تسلیم نہیں کر سکتے چونکہ ہمارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا' جس روز اللہ کی کبریائی کا اعلان مساجد کے علاوہ بازاروں اور ایوان ہائے تجارت میں بھی کیا جائے گا' جس دن زکوٰۃ لینے والے نہیں بلکہ دینے والے صدا لگا رہے ہوں گے' جس روز میڈیا مشرف بہ اسلام ہو گا۔ اگر 28 مئی 98ء حقیقی یومِ تکبیر ہوتا تو ہمیں اس کے بعد کسی ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ہمیں نائن الیون کے بعد امریکیوں کے بوٹ نہ چاٹنے پڑتے۔ وہ اپنے کتے پر پاکستان نہ لکھتے۔ دنیا بھر میں کسی بدبخت کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ ہماری الہامی کتاب قرآن مجید کی بے حرمتی کرتا۔ خونِ مسلم کی یوں ارزانی نہ ہوتی۔ یاد رہے اگر صرف ایٹم بم کسی قوم کا سر بلند کر سکتے ہوتے تو سوویت یونین شکست و ریخت کا شکار نہ ہوتا۔ بڑائی کا اصل راز اسلام کے نظامِ عدل اجتماعی میں مضمر ہے۔ امریکہ کی بڑائی جبر سے قائم ہے۔ دنیا کی عظیم اکثریت اس سے شدید نفرت کرتی ہے۔ اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی ہمیں ایک ایسی سپریم قوت بنا سکتا ہے' جس کا غیر اقوام بھی دل سے احترام کریں۔ محمد بن قاسم کو اپنوں نے معزول کر دیا تب بھی وہ اہل سندھ کے دلوں پر راج کرتا رہا۔ جب اللہ رب العزت اپنے کلام پاک میں ہمیں دشمنوں کے دلوں میں ہیبت پیدا کرنے کے لیے گھوڑوں کو تیار رکھنے کا حکم دیتا ہے تو یقیناً عصر حاضر میں ایٹمی قوت کا حامل ہونا حکم خداوندی کی پیروی ہے لیکن احکاماتِ الٰہی کو کلی طور پر لاگو کیے بغیر سپریم قوت بننا تو دور کی بات ہے' عزت و آبرو سے جیا بھی نہیں جا سکتا۔ ہم نے ایٹم بم تو بنا لیا لیکن ہماری جرأت اور حوصلہ کا حال یہ ہے کہ ایٹم بم کا آغاز کرنے والے کو ہم نے پھانسی دے دی' یورینیم افزودہ کرنے اور کولڈ ٹیسٹ کرنے والے کا ہم نے جہاز گرا دیا' ایٹمی دھماکہ کرنے والے کو ملک بدر کر دیا اور ایٹم بم بنانے والا قوم کا ہیرو سلاخوں کے پیچھے زندگی کے دن کاٹ رہا ہے۔ تو کیا 28 مئی حقیقی یومِ تکبیر ہے؟

ملائیشیا کے مسلمان

سید قاسم محمود

"احیائے اسلام" کی تحریک جو انڈونیشیا میں جاری و ساری ہے' اُس کا احوال گزشتہ شمارے میں قسط نمبر 89 پر ختم ہوا۔ اب ہم انڈونیشیا سے اُترنے کی بجائے اوپر شمال میں جاتے ہیں' جہاں ملائیشیا کے جزائر واقع ہیں۔ یہ بھی ایک اہم مسلم ملک ہے اور آج کل اسے مسلم ملکوں کے سربراہوں کی تنظیم (او آئی سی) کی سربراہی حاصل ہے۔

31 اگست 1957ء کو جب ملایا نے انگریزوں سے آزادی حاصل کی تو اُس وقت ملایا کی حیثیت ایک ایسے وفاق کی تھی جو گیارہ ریاستوں (جوہور' کیڈہ' کیلانتان' ملاکا' نگری سمبیلان' پہانگ' پنانگ' پیراک' پرلیس' سلنگور اور ٹرنگانو) پر مشتمل تھا۔ چھ سال بعد 1963ء میں وفاق ملایا میں سنگاپور' ساراواک اور صباح کی تین ریاستیں اور شامل ہوگئیں اور اس نئے اور عظیم تر وفاق کا نام ملائیشیا رکھا گیا۔ دو سال بعد 9 اگست 1965ء کو سنگاپور کی ریاست' جس میں چینی باشندوں کا تناسب 80 فیصد سے زیادہ ہے' وفاق سے علیحدہ ہوگئی' کیونکہ سنگاپور کے چینیوں کو ملائیشیا کی وفاقی حکومت پر ملائی یا میلے باشندوں کا غلبہ گوارا نہیں تھا۔

ملائی باشندے مسلمان ہیں' جن کی آبادی پورے ملک میں تقریباً نصف ہے۔ آبادی کا یہ تناسب اس قدر کمزور ہے کہ ملائیشیا کو خالص اسلامی مملکت بنانے کا کام ذرا مشکل اور پیچیدہ ہے۔ غیر مسلم آبادی کی اس اکثریت کی وجہ سے ہم ملائیشیا کو مشرق بعید کا لبنان یا نائیجیریا کہہ سکتے ہیں۔ اس مشکل کے باوجود اسلامی نقطۂ نظر سے ملائیشیا کا ایک امید افزا پہلو یہ ہے کہ صباح اور ساراواک کے غیر ملائی' خصوصاً غیر چینی باشندوں میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور ملائی باشندوں میں چینیوں کے مقابلے میں شرح پیدائش بھی زیادہ ہے۔ دینی لحاظ سے ملائی مسلمان راسخ العقیدہ اور باحمیت مسلمان ہیں۔

ملائیشیا میں مسلمانوں کی موثر اکثریت نہ ہونے کے باوجود ملائیشیا کے دستور میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ ملائیشیا سے ہر سال تقریباً پندرہ ہزار مسلمان حج کو جاتے ہیں جو مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کو دیکھتے ہوئے بہت بڑی تعداد ہے۔ اس مقصد کے لئے ملائیشیا میں "حج سکیم" کے نام سے ایک بڑا مفید نظام قائم ہے۔ اس سے پہلے دیہات میں رہنے والے مسلمان حج کے لیے زندگی بھر کی پونجی زمین کے اندر دبا دیتے تھے یا گھر میں جمع کرتے رہتے تھے۔ یہ سرمایہ کام میں لانے کے لیے حکومت نے حج سکیم جاری کی۔ اس سکیم کے تحت جو شخص حج کے لیے جانا چاہے' وہ اپنا سرمایہ ایک ادارے کے پاس جمع کرا دیتا ہے۔ یہ ادارہ اس سرمایے کو تجارتی کمپنیوں میں لگا دیتا ہے۔ اس پر جو منافع حاصل ہوتا ہے' وہ جمع ہوتا رہتا ہے۔ ملائی مسلمان چونکہ فریضۂ حج کی ادائیگی کا بے پناہ شوق رکھتے ہیں' اس لیے وہ اپنا تمام جمع شدہ سرمایہ یا بچتیں حج سکیم میں لگا دیتے ہیں۔ عموماً یہ ہوتا ہے کہ اکثر افراد اپنے منافع کی پونجی سے حج کر آتے ہیں اور اُن کا اصل سرمایہ کاروبار ہی میں لگا رہتا ہے۔ سرمایہ کاری نفع یا نقصان کی بنیاد پر کی جاتی ہے اور اس سکیم میں سود کو کوئی دخل نہیں۔ اس نظام سے سرمایہ بھی گردش میں رہتا ہے اور ہر سال ہزاروں ملائی اپنا دینی فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔

اسلام کا ورود:

ملائی باشندوں میں اسلام کیونکر پھیلا؟ اُن پر اسلام کے کیا اثرات کیونکر قائم ہوئے؟ ملائیشیا میں احیائے اسلام کی تحریک کا حال معلوم کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ملائیوں کے مزاج میں اسلامی ثقافت کے خصائص کیونکر داخل ہوئے۔ ملائی لوگ ابتدا میں پراچین یعنی قدیم باشندوں کی حیثیت سے ساترا کے وسطی حصے میں آباد ہوئے۔ پھر اس بڑے جزیرے کے مشرقی اور شمالی حصوں میں پھیلے ہوئے اور آبنائے میں متوطن ہو گئے' خصوصاً ملاکا اور بورنیو میں بڑے بڑے دریاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی بستیاں قائم کیں۔ یہ لوگ دور دور تک پھیلی ہوئی انڈونیشی نسل سے تعلق رکھتے ہیں' جس کی بولیاں مڈغاسکر سے لے کر فلپائن تک اور ایشیا کے انتہائی جنوب سے لے کر بحرالکاہل کے دور افتادہ جزائر مائکرونیشیا اور ملے نیشیا تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس علاقے میں اسلام کے ورود سے قبل ایک اعلیٰ درجے کی مہذب ہندووانہ حکومت موجود تھی اور یہاں کے بحرنورد باشندے قرب و جوار اور دُور دُور کے علاقوں میں جایا کرتے تھے۔ انہوں نے تجارت ہی کی راہ سے ملائی زبان متعدد بندرگاہوں اور جزیروں میں پہنچائی۔ یہ پوری طرح معلوم نہیں کہ کس صدی میں اسلام نے یہاں ہندو مذہب کا خاتمہ کیا' لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ دینِ اسلام نے اپنی آمد پر ملائی قوم کو جزیرہ نما میں آباد پایا' اور یہ کہ ملائی زبان تجارتی مقاصد اور سیاسی تعلقات کے لیے ایک مقبول زبان کی حیثیت سے استعمال ہو رہی تھی۔

ملائی مسلمانوں کی زبان

یہ اسلام ہی کی برکت تھی کہ ملائی زبان جو پہلے سنسکرت کے الفاظ سے معمور تھی' بہت ہی مخلوط قسم کی ایک باقاعدہ مدوّن اور بامحاورہ زبان بن گئی۔ اسلام کا سیل رواں اپنے ساتھ بہت سے تامل الفاظ اور بے شمار عربی الفاظ لایا' جن میں سے بعض کا قالب دکنی یا فارسی تھا' ساتھ ہی بہت سے فارسی الفاظ تھے جن میں سے بعض ہندوستانی خصوصیات لیے ہوئے تھے۔ ان مختلف عناصر کے ملاپ سے ملائی زبان مسلمانوں کا ذریعۂ اظہار قرار پائی' جس طرح شمالی ہند میں فارسی' عربی اور بھاشا زبانوں کے ملاپ سے اردو زبان وجود میں آئی۔ ویسے بلاشبہ ملائی زبان پہلے ہی ایک سادہ شکل میں ہر قسم کے دیسی باشندوں' غیر ملکی تاجروں اور بعد میں آنے والے پرتگیزی اور ولندیزی کپتانوں اور سفیروں کے ساتھ میل جول کے لیے موزوں ہونے کے سبب مجمع الجزائر کے ان حصوں میں پہنچ چکی تھی جہاں آمد و رفت بکثرت ہوتی تھی۔

یہ اسلام کی شان ہے کہ اس نے ملائی زبان کو ادبی درجہ عطا کیا اور جب اس زبان نے وسیلۂ اظہار کے طور پر اپنا مقام حاصل کیا اور اس میں بے شمار عربی کتابوں کے ترجمے کر لیے گئے تو اس کی شکل و صورت نکھر آئی اور اس کے املا کے قواعد و ضوابط بھی باقاعدہ طور پر مرتب کر لیے گئے۔ ان قواعد نے اسے ادبی اور دینی مقاصد کے لیے موزوں زبان بنا دیا اور اُصولِ دین' احکامِ شریعت اور ادبیات کے لیے ایک عمدہ ذریعۂ ابلاغ کی بھی صورت دے دی۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ وہ روزمرہ یا عوامی زبان جو اکثر بندرگاہوں میں سنی جاتی ہے' وہ اُس ترقی یافتہ ادبی زبان سے بہت مختلف ہے' جو ملاکا میں پروان چڑھی' جہاں کبھی سلطنت کا صدر مقام اور کتب خانہ تھا۔

جب عرب اور ہندوستان کے علماء و فضلاء جزیرہ آچے میں آئے تو وہ نہ صرف دینی مسائل پر ملائی زبان میں بحث مباحثہ کرتے رہے' بلکہ انہوں نے اس زبان میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اس کی ادبی شکل تا حال اسی طرح برقرار ہے۔ ادبی تصانیف میں وہی قدیم تراکیب استعمال کی جاتی ہیں اور عام بول چال (روزمرہ) کی زبان مختلف جزیروں کے مختلف حصوں میں مستعمل ہے۔ جزیرہ مالوکا اور بالخصوص جزیرہ امبون میں ملائی زبان کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا گیا۔ لہٰذا ان جزیروں میں اس زبان نے

مذہبی رنگ اختیار کر لیا ہے۔ ملائی زبان کی صرف ونحو (گریمر) پر عربی صرف ونحو کے خاصے اثرات ہیں' لیکن بہ حیثیت مجموعی اسلامی اثرات کی وجہ سے اس زبان کے بنیادی اور قدیم خصائص میں کوئی نمایاں تغیر پیدا نہیں ہوا۔ البتہ اس کا مجموعی ماحول اسلامی بن گیا ہے۔ عربی زبان نے ملائی ذخیرے میں بے شمار الفاظ کا اضافہ کر کے اس کے تحریری ادب کو ایک انفرادی اسلامی ادب کی خصوصیت عطا کر دی ہے۔

ملائی زبان کا ادب:

زمانۂ قبل اسلام کے ادب کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں۔ قدیم سے قدیم شکل میں اس زبان کی جو ادبی تحریر ملی ہے' وہ صرف عربی رسم الخط میں ہے۔ یہ قدیم ترین مخطوطات کیمبرج اور اوکسفورڈ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ان کا زمانۂ تحریر سولہویں صدی کے اواخر اور سترھویں صدی کے اوائل کا ہے۔ سولہویں صدی کے وقائع سے پتا چلتا ہے کہ جزیرہ ملاکا کے ایک شاہی کتب خانے سے اُس وقت استفادہ کیا گیا جب پرتگیزیوں نے 1511ء میں اس شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ سولہویں صدی میں تحریری ادب کی موجودگی کا یہ واحد تاریخی ثبوت ہے۔

ملائی زبان کا ادب خاص طبغراد ہے۔ وقائع' حکایات اور نظم گوئی میں سے شاید ہی کوئی ایسی صنف ہو جس کا ماخذ بلاواسطہ عربی زبان ہو۔ بہت سی مذہبی اور تاریخی داستانیں فارسی سے ترجمہ کی گئی ہیں' لیکن ان تمام ادبی تصانیف پر اسلامی فضا کا رنگ ہے۔ ان میں عربی الفاظ کی فراوانی ہے۔ یہ اسلامی نظریات وافکار سے بھرپور ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض دیسی مزاحیہ کہانیاں اور افسانے بھی ہیں' خصوصاً وہ جو کسی زمانے میں بہت مقبول تھے' مثلاً چوہے اور ہرن کی کہانیاں۔ مزید برآں کچھ طبغراد داستانیں ہیں' جن پر ہندوانہ اثر غالب ہے۔ کچھ جاوا کی قدیم حکایات ہیں۔ لیکن محض یہی بات کہ یہ تمام کتابیں' قصے کہانیاں' عربی رسم الخط میں لکھی گئی ہیں اور ان میں الفاظ کی کثرت ہے' اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ یہ اسلامی ذہن کی پیداوار ہیں۔ تاریخی و نیم تاریخی تحریریں حتیٰ کہ قدیم افسانوں اور نیم رومانوی تحریریں بھی' قریب قریب پوری طرح اسلامی رنگ میں رنگی جا چکی ہیں۔ ان داستانوں کی بھی کثیر تعداد ہے' جن کا تعلق غیر ملکی شہزادوں' شہزادیوں اور اُن کے مہم جویانہ (یا عشقیہ) کارناموں سے ہے۔ یہ داستانیں تمام شرق الہند کے طول وعرض میں ملائی زبان لکھنے پڑھنے والوں میں متداول ہیں۔ اکثر افسانے عربی' فارسی یا ہندوستانی زبانوں سے ترجمے کیے گئے ہیں۔ مثلاً ''طوطی نامہ'' اور ''فسانۂ عجائب'' وغیرہ۔

بہت سی کتابوں کا موضوع انبیائے کرامؑ بالخصوص آنحضرت ﷺ کے اہل بیتؓ ازواج مطہراتؓ اور آپؐ کے صحابہؓ ہیں۔ کچھ تصانیف مثلاً امیر حمزہ کی داستان اور محمد بن حنفیہ کی داستانیں فارسی سے ترجمہ کی گئی ہیں۔ ملائی زبان میں آج کل اسلامی موضوعات پر بہت سی نئی تصانیف وجود میں آئی ہیں اور اُمتِ مسلمہ کے حالاتِ حاضرہ اور اُن کے عروج وزوال کے اسباب پر تحقیق ومقالات بھی لکھے جا رہے ہیں۔

ملائی مسلمانوں کی اسلامیت' ان کی زبان وادب کا اسلامی مزاج' جس کا مختصر بیان اس قسط میں ہوا' ایک پس منظر کی حیثیت رکھتا ہے' اس پیش منظر کا' جس کا بیان آئندہ شمارے میں ہوگا۔ (جاری ہے)

***

پریس ریلیز — 27 مئی 2005ء

''یہ ہماری غیرت ودینی حمیت کا امتحان ہے''

قرآن کی بے حرمتی دراصل پوری اُمت مسلمہ کی ذلت ورسوائی اور توہین کے مترادف ہے۔ کسی قوم کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنا، انہیں ذکر الٰہی اور عبادات سے روکنا یا ان کے مقدس صحیفوں کی توہین کرنا فتنہ وفساد اور ظلم وزیادتی کی بدترین صورت ہوتی ہے۔ اس بدترین ظلم پر امریکہ عالم اسلام سے معافی مانگے ، مجرموں کو سخت ترین سزا دے اور آئندہ ایسا نہ کرنے کی یقین دہانی کرائے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں قرآن کی بے حرمتی پر بھرپور احتجاج کرنا چاہئے کیونکہ دشمن نے اس واقعے کے ذریعے گویا ہماری دینی غیرت وحمیت کا امتحان لیا ہے۔ لیکن یہ اتنا بڑا سانحہ ہے کہ اس کا ازالہ صرف احتجاج سے نہیں ہوگا۔ اس واقعے کے بعد ہمیں خواب غفلت سے جاگ جانا ہوگا۔ قرآن کی حرمت وعزت کا ہم سے تقاضا یہ ہے کہ ہم نہ صرف انفرادی سطح پر قرآن حکیم کے حقوق ادا کریں اور قرآن حکیم کی تلاوت کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی آیات میں غور وفکر اور تعلیماتِ قرآنی پر عمل کو اپنا شعار بنائیں بلکہ اجتماعی سطح پر احکاماتِ قرآنی کو نافذ بھی کریں۔ اگر ہم یہ کر لیتے ہیں تو امریکہ یا کسی اور کو دوبارہ کبھی ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوگی اور اللہ کی تائید ونصرت شامل حال ہونے کے باعث ہم اس پوزیشن میں ہوں گے کہ دشمن سے اس ظلم وزیادتی کا انتقام لے سکیں۔ بصورت دیگر ''ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات'' کے مصداق ہم زبانی کلامی احتجاج کرنے کے باوجود بدستور امریکہ کی غلامی کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشرواشاعت' تنظیم اسلامی)

البلاغ فائونڈیشن اور مسیحی بھائیوں کے سوالات

البلاغ فاؤنڈیشن کے مدون کردہ خط وکتابت کورس کرنے والے اکثر طلباء بائبل کا خط وکتابت کورس مکمل کر چکے ہیں یا ابھی کر رہے ہیں۔ ان کے توسط سے مسیحی بھائیوں کے سوالات موصول ہوتے رہتے تھے۔ ان کے جواب ارسال کرنے کے بعد انہیں فاؤنڈیشن کے سہ ماہی میگزین میں بھی شائع کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن وقفہ وقفہ سے وہ سوالات مختلف پیرائے میں اب بھی وصول ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے ان سوالات کے جواب کتابچہ کی صورت میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

سوال کرنے والوں کے مطالبہ کے پیش نظر کوشش کی گئی ہے کہ قرآن وحدیث کے حوالوں کے بغیر صرف عقلی دلائل سے جواب دیا جائے۔ اس اعتبار سے اس کتابچے کے مطالعہ سے اسلام کے منطقی استدلال کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ 32 صفحات کا یہ کتابچہ آٹھ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

عبدالکریم عابد

غم گسار: سید قاسم محمود

اسلام آباد کا ایک ہوٹل۔ 24 مئی کو صبح اخبار اٹھایا تو پہلی نظر عبدالکریم عابد کی تصویر' اور اُن کی رحلت کی روح فرسا خبر پر پڑی۔ دل دھک سے رہ گیا۔ سرطان میں مبتلا تھے۔ طویل اور موذی بیماری کی وجہ سے انتہائی کمزور اور لاغر ہو گئے تھے' لیکن تعمیری اور پاکیزہ خیالات کی آمد میں لغزش اور قلم کی روانی میں دمِ آخر تک لرزش پیدا نہ ہوئی۔ میں نے لاہور سے چلتے وقت فون پر گفتگو کی اور مضمون کی یاد دہانی کرائی۔ حلق کی آواز پر سانس کی دھونکنی غالب تھی۔ کہنے لگے' بھائی تین جون جمعہ کو گھر آؤ اور مضمون لے جاؤ۔ میں نے تیار کر لیا ہے' لیکن ملاقات ضروری ہے۔

مضمون کا قصہ عجیب ہے ۔ اُن کا میرا تعلق 1965ء سے مضمون ہی نے جوڑ رکھا تھا۔ 1965ء میں میری ادارت میں "سیارہ ڈائجسٹ" کا "قرآن نمبر" مدوّن ہونا شروع ہوا تو ایک مجلس مشاورت بنائی گئی' جس کے ایک رکن عابد صاحب بھی تھے۔ "سیارہ ڈائجسٹ" کے ناشر حاجی سلیمان یوسف میمن برادری سے تعلق رکھتے تھے' مولانا مودودی کے پرستار اور جماعتِ اسلامی کے پروانے۔ یہ تینوں اوصاف عابد صاحب میں بھی تھے یعنی میمن' مولانا صاحب کے پرستار اور جماعت اسلامی کے پروانے۔ ان دونوں حضرات میں ہم خیالی نے محبت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ دونوں کراچی میں رہتے تھے۔ عابد صاحب بطور صحافی خواہ کسی بھی اخبار سے وابستہ رہیں' اُن کی ایک مستقل نشست گاہ "سیارہ ڈائجسٹ" کا دفتر تھی۔ اُس کا ادارتی دفتر لاہور میں تھا' جس کی ذمہ داری میرے سپرد تھی۔ میرا معاملہ یہ تھا مولانا مودودی کی تحریروں کا دل دادہ' لیکن "جماعتِ اسلامی" کے لیے دل گرفتہ۔ یہ فرق عابد و قاسم کے تعلق خاطر کے درمیان ہمیشہ حائل رہا' ورنہ اسلام اور پاکستان کے لیے شیفتگی نے ہمیں ایک دوسرے سے باندھے رکھا۔

عابد صاحب نرے صحافی نہ تھے' عالم اور فاضل بھی تھے۔ پاکستان کا کوئی بڑا اخبار اور جریدہ ایسا نہیں ہے' جس میں انہوں نے اپنی سیاسی تحریر کے جادو نہ جگائے ہوں۔ حریت' جسارت' جنگ' نوائے وقت' اخبار' فیملی میگزین' فرائیڈے اسپیشل' انصاف' یہاں تک کہ "ندا" بھی۔ لیکن اُن سے میرا تعلق زیادہ تر اُن کے علم و فضل ہی سے رہا۔ 1973ء میں جب "سیارہ ڈائجسٹ" کے "رسول نمبر" کی مجلس ادارت بنائی گئی تو اُس میں بھی عابد صاحب شامل تھے۔ نہ صرف شامل بلکہ سرگرم اور فعال رکن۔ "رسول نمبر" میں اُن کے تین تحقیقی مضامین شاملِ اشاعت تھے: (1) آں حضرت اور انبیائے سابقین (2) صلح حدیبیہ: فتح مبین اور (3) سید البشر اور یہودی رہنما۔ جو بعد ازاں ہندو پاکستان کے متعدد دینی رسائل میں بار بار نقل ہو چکے ہیں۔

بھٹو صاحب ستر کی دہائی میں جب اسلامی سوشلزم کا پرچم لہراتے ہوئے پاکستانی سیاست کے منظر پر نمودار ہوئے تو دائیں بازو کے اکثر و بیشتر صحافیوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے' اور نعرے کا جواب لاٹھی سے دیا۔ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والا واحد قلم کار عبدالکریم عابد تھا' جس نے انتہائی علمی متانت اور منطقی استدلال کے ساتھ کارل مارکس کی صیہونیت اور اُس کی اشتراکیت پر سخت تنقید کی۔ اشتراکیت کو اردو میں اپنا وکیل سید سبط حسن کی شخصیت میں نصیب ہوا' اور نقاد عبدالکریم عابد کی ذات میں۔

2003ء میں جب راقم "ندائے خلافت" کی ادارت سے منسوب ہوا تو قریبی احباب کی فہرست بنائی گئی' جن سے قلمی معاونت کی درخواست کی جا سکتی تھی یا کرنا چاہیے تھی۔ اس فہرست میں عابد صاحب بھی شامل تھے۔ حافظ عاکف سعید صاحب نے بتایا کہ وہ گلے کے سرطان کے باعث شاید ہمارے لیے نہ لکھ سکیں' لیکن اقتدار احمد مرحوم کے زمانہ ادارت میں عابد صاحب "ندا" کے تجزیہ نگار رہے ہیں۔ حالاتِ حاضرہ کا تجزیہ کرنے میں انہیں کمال حاصل ہے۔ مضمون کی فرمائش تو بعد کی بات تھی' سرطان کا سن کر واجب تھا کہ اُن کی خیریت معلوم کی جائے۔ حافظ صاحب نے فون پر اُن سے بات کرا دی۔ میں "ٹاؤن شپ" والے مکان میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جسمانی حالت دیکھی تو "ندائے خلافت" کے لیے کچھ لکھنے کی درخواست کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

البتہ جب ماہنامہ "بیداری" حیدر آباد کے ہر شمارے میں محمد موسیٰ بھٹو صاحب کے زیر ادارت عابد صاحب کے زوردار علمی مضامین کا سلسلۂ نوبہار دیکھا تو میری مدیرانہ غیرت نے جوش مارا۔ اُن کے مضامین کا موضوع "نشاۃِ اسلامیہ" تھا۔ چند عنوانات یہ تھے: مسلم امت کی کمزوریوں کی نشان دہی' سامراجی ثقافت کو کیسا اسلام چاہیے؟ مسلمانوں کے ناکام جہاد' شیطانی تہذیب کا پھیلایا ہوا عالمی انتشار' نفسانی خواہشات کا اسیر معاشرہ' زمانہ حال کے ذہنی امراض' غرضیکہ مغربی تہذیب کے ملبے تلے' دبے ہوئے اسلامی تمدن کو نکال کر' پھر سے عروج پر دیکھنے کی تمنا اُن کے اس سلسلۂ مضامین کی سطر سطر میں رچی ہوئی تھی۔ میں نے اُن سے گزشتہ سال کہا' عابد بھائی' اسبابِ زوال کا رونا کب تک' نشاۃِ ثانیہ کی آرزو کہاں تک' اصل مسئلہ یہ ہے کہ "کیونکر؟" صدیوں سے امت نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھ رہی ہے' لیکن یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو تو "کیونکر"...... آپ اس "کیونکر" پر مبنی ایک قابل عمل' مختصر سالائحۂ عمل تیار کیجیے' جو ہم او آئی سی اور مسلم حکومتوں کو پیش کر کے تعاقب کریں کہ وہ اس پر مسلسل عمل کریں۔ عابد صاحب نے وعدہ کر لیا۔ میں مہینے دو مہینے بعد وعدہ یاد دلاتا رہا۔ ہر دفعہ کہتے' تیار کر رہا ہوں۔

"بیداری" کا مئی کا شمارہ وسط ماہ میں موصول ہوا' جس میں ایک نہیں' اُن کی دو تحریریں شامل تھیں "معیار زندگی کا مسئلہ: متوسط طبقے کا بڑھتا ہوا نفسیاتی اضطراب" اور "پاکستانی معاشرے میں نئی اور حقیقی تبدیلی کی ضرورت"۔ ایک سے بڑھ کر ایک' گویا صحت اجازت دے رہی ہے۔ میں نے فون کیا' "عابد صاحب' آپ میرے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں؟" انتہائی نحیف آواز میں کہا "تم اسلام آباد سے واپس آؤ۔ تین جون جمعہ کو میرے پاس آؤ' میرے ساتھ چائے پیو' "اسلامی نشاۃ ثانیہ کیونکر؟" پیش کروں گا"۔

23 مئی اور 3 جون میں قیامت کا فاصلہ حائل ہو گیا۔ سب کو اُسی طرف جانا ہے۔ آج عابد کی' کل قاسم کی باری ہے۔ اللہ اُس کی قبر کو اپنی تجلیات سے منور رکھے' اور اُس کے اہلِ خانہ کو اُس کے صبر و استغنا کی روش پر چلنے کی توفیق دے۔

جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل

جناب منوّر حسن

انٹرویو پینل: فرقان دانش خان ۔ وسیم احمد

☆ مولانا مودودی نے قوم پرستی کو سراسر غیر اسلامی اور خلافِ دین قرار دیا۔ آج جماعت صرف قومی معاملات میں کیوں الجھ کر رہ گئی ہے؟

☆ کیا ووٹروں کے افکار و نظریات میں تبدیلی ہو چکی ہے جو جماعتِ اسلامی جوش و خروش سے انتخابات میں حصہ لے رہی ہے؟

☆ 1948ء کی جنگِ کشمیر کے بارے میں مولانا مودودی کا فتویٰ کچھ اور تھا۔ اب جماعتِ اسلامی سب سے آگے ہے۔ جماعت کا پہلا مؤقف غلط تھا یا اب غلط ہے؟

☆ پنجاب اور سندھ جاگیرداری نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں یہاں کسی اسلامی جماعت کی کامیابی کے کیا امکانات ہیں؟

☆ 2002ء کے قومی انتخابات میں تمام اسلامی جماعتوں نے متحد ہو کر ایم ایم اے کے پرچم تلے الیکشن لڑا جس کا نشان کتاب تھا۔ اس اتحاد نے اسلام کے حوالے سے اب تک کیا کام کیا؟

سوال: قارئین ''ندائے خلافت'' کے لیے اپنا تعارف بیان فرما دیں۔

جواب: میری پیدائش دہلی کی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ہم کراچی میں سیٹل ہوگئے تھے' لہٰذا پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک کراچی ہی میں تعلیم حاصل کی' طالب علمی کے ابتدائی دور میں کراچی کی ایک تنظیم نیشنل سٹوڈنٹ فیڈریشن NSF کے ساتھ تعلق تھا۔ یہ بائیں بازو کے لوگوں کی تنظیم تھی اور اس زمانے میں نظریاتی اعتبار سے ایک جانی پہچانی تنظیم تھی۔ وہ دور بھی ایک لحاظ سے نظریاتی کشمکش کا دور تھا۔ Debate کے موضوعات اسی حوالے سے ہوتے تھے۔ کالجز اور یونیورسٹی یونین کے الیکشنز بھی لڑے جاتے تھے۔ NSF کے ساتھ وابستگی کے عرصہ میں 1958ء کا مارشل لاء آ گیا اور طلباء کی تمام تنظیموں پر پابندی لگ گئی۔ اس کے بعد ایک زیرزمین تنظیم بنائی گئی' لیفٹ کے تمام سینئر لوگ تو اس میں سرپرست کی حیثیت میں ہی موجود رہے لیکن باقی لوگوں کو انہوں نے آگے بڑھایا' میں اس تنظیم کے'' اسٹوڈنٹ سرکل'' کا صدر تھا۔ اس میں ہم نے ایک فیصلہ یہ کیا کہ چونکہ طلبہ تنظیموں پر پابندی ہے اور اسلامی جمعیت طلبہ کے لوگ بھی فارغ ہیں۔ لہٰذا ان کے جو باصلاحیت لوگ ہیں' انفرادی رابطوں کے ذریعے انہیں NSF کی طرف لایا جائے۔ میں نے اپنے ذمہ اس سلسلے میں کئی افراد کو لیا اور بیک وقت جمعیت کے چار پانچ رفقاء سے انفرادی ملاقاتیں ہوئیں۔ اس وقت جو وقتی موضوعات تھے' ان پر تبادلۂ خیال کیا۔ اس وقت ہمارے ذہن کے اندر جو کیمونزم کا تصور تھا اس کے حوالے سے گفتگو شروع کی' انہی میں سے ایک صاحب ایسے تھے جو زیادہ باصلاحیت بھی تھے اور جمعیت کے بہت پرانے لوگوں میں سے تھے۔ میں ان کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق بات کہتا اور سمجھاتا رہا۔ اس دوران انہوں نے بھی مجھے کئی کتابیں پڑھنے کے لیے دیں۔ میں نے بھی چھوٹے رسالے ان کو پڑھنے کے لیے دیئے۔ اسی عمل میں بالآخر ایک کتاب میں نے پڑھ لی' اس سے پہلے تو کئی کتابیں جو انہوں نے دی تھیں' میں نے بغیر پڑھے واپس کر دی تھیں۔ لیکن ایک کتاب میں نے پڑھی اور اسی کتاب سے ذہن کے اندر بنیادی طور پر ایک تبدیلی پیدا ہوئی اور پھر تبدیلی کا وہ سفر اسلامی جمعیت طلبہ میں شامل ہو کر ہی ختم ہوا۔ یہ غالباً 1960ء کی بات ہے۔ اگرچہ نظریاتی طور پر NSF کا جو سفر ہے اس میں بہت سارے اونچ نیچ ہیں' بہت سے جذباتی اور حقائق پر مبنی واقعات ہیں۔ لیکن نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ وہ مجھے اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ٹھہرے اور اس کے نتیجے میں جمعیت میں شمولیت ہوئی۔ اس کے بعد مولانا مودودی کو باقاعدگی کے ساتھ پڑھنے کا موقع ملا۔ پھر اس کے بعد یونیورسٹی کا زمانہ ہے جو کئی سال پر پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران میں اسلامی جمعیت طلبہ کراچی یونیورسٹی کا بھی ناظم رہا۔ 1963ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے کراچی میں اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ پیش نظر یہ تھا کہ مولانا کا جتنا اردو لٹریچر ہے اس کو انگریزی میں منتقل کیا جائے اور عربی میں الاخوان اور دوسری تنظیموں کا لٹریچر اردو میں منتقل کیا جائے۔ کچھ اوریجنل کام اردو اور انگریزی دونوں میں کیا جائے۔ یہ بھی طے ہوا کہ ایک اردو جریدہ ''چراغاں'' بھی اسی اکیڈمی سے شائع کیا جائے جبکہ انگریزی میں The Criteria کے نام سے ایک جریدے کا اجرا کیا جائے۔ 63ء میں میں نے ریسرچ اکیڈمی کو جوائن کر لیا تھا۔ بہرحال جب جمعیت سے فارغ ہوا ہوں تو جماعت اسلامی میں شمولیت کے لئے فوری طور پر تیار تھا اور یہ بات 1966-67ء کی ہے۔ جماعت میں مختلف ذمہ داریوں پر کام کیا۔ جماعت اسلامی کراچی کا ناظم رہا اور کل پاکستان ناظم اعلیٰ کے طور پر بھی کام کیا' اس وقت مشرقی اور مغربی پاکستان ایک ہی تھے۔ نائب قیم کی حیثیت سے' قیم کی حیثیت' نائب امیر کی حیثیت سے' امیر کی حیثیت سے پھر مرکز میں نائب قیم کی حیثیت سے یہاں بھی کام کرتا رہا ہوں۔ اب یہاں بھی تیرا چودہ سال گزر گئے ہیں۔ یہ سفر کی مختصر روداد ہے۔

سوال: قیام پاکستان سے پہلے وقتی مسائل پر تحریکیں چلانے کو مولانا مودودی وقت کا ضیاع کہتے رہے۔ آج جماعت اسلامی حالات کی اٹھائی ہوئی ہر لہر پر سوار ہونے ⇦

کی خواہش رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ مہنگائی کے خلاف احتجاج اور ہڑتالیں کی جاتی ہیں۔ اس تضاد کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: مولانا مودودی صاحب جب اکیلے ہوتے تھے تو انہیں ہی سارا کام کرنا ہوتا تھا ظاہر ہے کہ وہ اپنے وقت کو اسی طریقے سے استعمال کرتے تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے کچھ چھ سال ہی جماعت اسلامی کی زندگی کے ہیں۔ جب جماعت کے اندر وسعت ہوئی ہے حالات کی وجہ سے اس میں تبدیلی ہوئی ہے۔ پاکستان کا وجود خود بہت بڑی تبدیلی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ پھر پاکستان میں قرارداد مقاصد کے بعد اس کی حیثیت تبدیل ہوئی ہے' اس کا قبلہ تبدیل ہوا ہے یعنی اس کا مسلمان ہونا ٹھہرا۔ ظاہر ہے اس حوالے سے تمام چیزوں کے رویے بدلے ہیں۔ لہٰذا اس ملک کے اندر رہتے ہوئے' اس ملک کی اصلاح کا کام کرنا اور اس ملک کے اندر جو خرابی ہے اس کی نشاندہی کرنا وغیرہ بھی کام ہے۔ گویا وقت گزرنے کے ساتھ کام کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً جب ابتداء میں پاکستان بنا ہے تو مہاجرین کے لٹے پٹے قافلے آرہے تھے اور ان کی بے بسی اور مجبوری بالکل واضح اور دوٹوک تھی۔ اس اعتبار سے خدمت خلق کا کام بھی جماعت اسلامی نے کیا۔ اسی طرح حالات کے جبر بھی بہت سے کام کراتے ہیں' اس کے لحاظ سے سوچ بھی بدلتی ہے اور ترجیحات بھی تبدیل کرنا پڑتی ہیں۔

سوال: مولانا مودودی نے قوم پرستی کو سراسر غیر اسلامی اور خلاف دین قرار دیا۔ آج جماعت صرف قومی معاملات میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ اس پر روشنی ڈالیں:

جواب: میرا خیال ہے کہ فلسطین پر بھی سب سے زیادہ ہم ہی بات کرتے ہیں۔ کشمیر پر بھی ہم موجود ہیں۔ افغانستان کے جہاد میں بھی ہم موجود تھے۔ آج کل بھی ہم وہاں پر موجود ہیں۔ چیچنیا کی ساری قیادت ہم سے رابطہ رکھتی ہے۔ اور دنیا میں جہاں کوئی مسلمانوں کے حوالے سے' اُمت کے حوالے سے کام ہو رہا ہے جماعت اس میں اپنا حصہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہے۔ بلکہ قاضی صاحب یا جماعت پر یہ الزام ہے کہ سارے جہاں کا درد انہی کے جگر میں ہے' واقعات اور حقائق تو آپ کے سوال کی تصدیق نہیں کرتے۔ آج بھی ہم نے پورے ملک میں یوم احتجاج منایا ہے قرآن پاک کی بے حرمتی اور کارٹون کی اشاعت کے حوالے سے۔ آج ہم نے پورے عالم اسلام سے رابطہ کر کے ایک دن طے کرنے کی بات کی ہے تاکہ پوری دنیا میں قرآن پاک کی بے حرمتی کے حوالے سے یوم احتجاج منایا جائے۔ اس لئے جو امت کا ایجنڈا ہے وہ شروع ہی سے جماعت کا ایجنڈا رہا ہے۔ اسی کے نتیجے میں ''رابطہ عالم الاسلامی'' وجود میں آئی تھی۔ یعنی جو بھی بین الاقوامی سطح پر امت کے حوالے سے کام ہوا ہے اس میں جماعت کی لیڈرشپ ساتھ رہی ہے۔

سوال: مولانا مودودی کی طرف سے قائداعظم اور پاکستان کی مخالفت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی جماعت اسے یہ کہہ کر Own کیوں نہیں کرتی کہ مولانا کے نزدیک مسلمانانِ ہند کی اسی میں بہتری تھی کہ قوم پرستی سے بلند تر ہو کر دنیا بھر میں اسلام کی سربلندی اور محض رضائے الٰہی کے لیے کام کیا جائے۔

جواب: میرے خیال میں آپ کا یہ سوال درست نہیں ہے۔ قائداعظم اور پاکستان کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ قائداعظم کی جیب میں جو کھوٹے سکے تھے یعنی مسلم لیگ کی مخالفت' مسلم لیگ کے کردار کی مخالفت ضرور کی تھی۔

سوال: یہ بھی آتا ہے کہ کھوٹے سکوں والی باتیں قائداعظم نے کہی ہی نہیں۔

جواب: اس سے قطع نظر انہوں نے یہ بات کہی ہے یا نہیں کہی ہے۔ مولانا کی مسلم لیگ کے حوالے سے جو رائے تھی اور جن لوگوں پر وہ مشتمل تھی اور جس کردار کے حامل وہ لوگ تھے ان کے حوالے سے جماعت کا کہنا تھا کہ یہ لوگ پاکستان کو اسلامی مملکت نہیں بنا سکتے۔ مولانا کسی اسلامی مملکت یا پاکستان کی مخالفت نہیں کر رہے تھے بلکہ جو لوگ اس تحریک کو لے کر چل رہے تھے اور پیش پیش تھے' ان کا جو ماضی و حال نظر آتا تھا اس کو انہوں نے ہمیشہ تنقید کا نشانہ بنایا۔ بلکہ انہوں نے یہاں تک کہا کہ یہ لوگ سب سے زیادہ مخالفت کریں گے اسلامی نظام کی' آج یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے۔ بہرحال انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ریفرنڈم میں اگر مجھے ووٹ دینا پڑا تو میں پاکستان کے حق میں ووٹ دوں گا۔

سوال: اپنے کتابچہ ''اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے'' میں صفحہ 69 پر مولانا لکھتے ہیں: قومی ریاست میں جب تک ووٹروں کے افکار و نظریات' ذہنیت و عقائد نہ بدل دیئے جائیں' اس وقت تک کسی اصول پسند اور اسلام پرست قیادت کا اُبھرنا ناممکن ہے۔ کیا عوامی ذہن و افکار کی تبدیلی ہو چکی ہے جو جماعت جوش و خروش سے انتخابات میں حصہ لے رہی ہے؟

جواب: مولانا نے ٹنوں کے حساب سے لٹریچر لکھا ہے اور یہ جو چاروں جملے آپ نے بتائے ہیں کئی ہزار جملے اور آگے لکھے ہیں۔ لہٰذا ہزاروں جملوں سے کاٹ کر کسی ایک جملے پر بات نہیں ہو سکتی۔ ان کی پوری فکر' پوری سوچ' کب ان کی کیا رائے تھی' کس دور میں کیا رائے تھی' اس پر بات کی جانی چاہیے۔ یا تو اس پوری کتاب پر بات کریں۔ بہرحال یہ بات اپنی جگہ درست بھی ہے جو انہوں نے فرمائی ہے۔ لیکن یہ کہ مولانا کا ساٹھ' پینسٹھ سال کا کام ہے' جس کو بات کرنی ہے وہ پورے 65 سال پر بات کرتا ہے۔ اس حوالے سے ظاہر ہے مختلف افکار ہیں بانی تحریک کے بھی اور مختلف تقاضے ہیں حالات کے تبدیل ہونے' مملکت خداداد پاکستان کے وجود میں آنے کے اور اس کے اسلامی جمہوریہ پاکستان بننے کے' تو ظاہر ہے اس لحاظ سے نقطہ نظر اور افکار بدلنے چاہئیں۔ کسی جامد شخصیت کا نام مولانا مودودی نہیں ہے۔ ایک متحرک' سرگرم اور ایک زندہ شخصیت کا نام مولانا مودودی ہے جو پورے عالم اسلام کے تمام حالات سے اس وقت بھی باخبر تھے جبکہ عالم اسلام میں چلنا پھرنا بھی مشکل تھا اور ذرائع رسل و رسائل بھی محدود تھے۔ اس وقت بھی انہوں نے سعودی عرب کے لیے نظام تعلیم بنا کر دیا' اس وقت تمام مسلم سربراہوں سے بھی رابطے رکھے۔ جتنی اسلامی تحریکیں تھیں' ان سب کے ساتھ جڑے رہے۔ کسی ایسی شخصیت کی اگر بات کریں تو مجموعی طور پر ان کا جو contribution ہے اس حوالے سے بات کریں۔ یا ان معاملات میں کسی طرف سے کوئی کمزوری نظر آتی ہے تو اس کے حوالے سے بات ہو سکتی ہے۔

سوال: 1948ء کی کشمیر کی جنگ کے بارے میں مولانا مودودی کا فتویٰ آپ کے سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب کشمیر کے جہاد آزادی کے لیے جماعت اسلامی سب سے آگے ہے۔ جماعت کا پہلا موقف غلط تھا یا اب غلط ہے؟

جواب: دونوں صحیح ہیں' اس وقت بھی مخالفت نہیں کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ہمارے جنرل صاحب کل تک یہ کہتے تھے۔ ''ہم جہاد اور دہشت گردی میں فرق کرتے ہیں اور کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ جہاد ہے وہ دہشت گردی نہیں ہے''۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سرکار کی پوری دلچسپی تھی۔ وہ تو اس میں حصہ دار تھی۔ کھل کر اعلان بھی کرتی تھی اور اس کے اندر شریک بھی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب تک حکومت نہ ہو کچھ نہ کریں۔ لہٰذا حکومت تو Involve تھی' اعلان بھی کر رہی تھی اور بھارت کو بھی اطلاع تھی۔ مولانا مودودی کا اس وقت کہنا تھا کہ حکومت کی طرف سے جب تک اعلان نہ ہو' اس وقت تک یہ کام نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال سب کو معلوم ہے کہ حکومت کا کیا رول تھا۔ اس اعتبار سے جماعت اسلامی کے رول میں کوئی تضاد نہیں۔

سوال: پنجاب اور سندھ کے دیہی علاقے جاگیرداری نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں یہاں کسی اسلامی جماعت کی کامیابی کے امکانات کس طرح پیدا ہوں گے۔

جواب: یہ مسئلہ اکیڈمک نہیں ہے' یہ مسئلہ عمل کی دنیا کا موضوع ہے۔ عمل کی دنیا میں ایک بات کی رکاوٹ دوٹوک نظر آتی ہے لیکن اس سے راستہ بنانے کے لیے ان گنت مواقع موجود ہوں گے۔ جو لوگ دور اندیش ہوتے ہیں اور ⇦

دور بینی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ اس طرح کے تمام راستوں کا انتظار نہیں کرتے کہ پہلے آگے سے راستہ صاف ہوگا تو کوئی کام کریں گے بلکہ وہ اس کے ہوتے ہوئے بھی اپنے حصے کا کام کرتے ہیں۔ فی نفسہٖ جاگیرداری کا نظام ختم ہونا چاہئے' اس کی بھی تدبیر ہو سکتی ہے۔ لوگ تو یہ بھی کہتے تھے کہ دینی جماعتیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ لیکن دینی جماعتوں نے جمع ہو کر دکھایا۔ پہلے اس کے لیے کوشش کرنی پڑی' بہت سے لوگوں نے ایثار کیا' بہت سارے مراحل سے گزرنا پڑا۔ مثلاً نظریاتی کونسل نے کچھ کام کیا۔ پھر متحدہ شریعت محاذ بنا' اس نے بھی کام کیا۔ اس کے بعد دینی جماعتوں اور سیکولر جماعتوں نے مل کر بھی اتحاد بنائے۔ اگر یہاں تک پہنچے ہیں تو ایک دن میں نہیں پہنچے ہیں۔ پچھلے پچاس سال کا تجربہ ہے۔ اگرچہ بھٹو نے بھی جاگیرداری نظام کو بعد میں برقرار رکھا لیکن بڑے بڑے جاگیردار اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکے اور شکست و ریخت کا شکار ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی فلسفہ بھی ایسا ہو سکتا ہے' کوئی شخصیت بھی ایسی ہو سکتی ہے' کوئی تحریک بھی ایسی ہو سکتی ہے کہ جو لوگوں کے دل سے جاگیردار اور زمیندار کا خوف نکال دے۔ ہمارے پاس اس کی باقاعدہ Statistics موجود ہیں کہ ہر جاگیردار کے مقابلے میں اس کے حلقہ انتخاب کے اندر دوسرے' تیسرے نمبر پر ایسے بھی جاگیردار موجود ہیں بلکہ ہر جگہ پر ایسا شخص موجود ہے جو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے۔ وہ اس طرح کا ظالم نہیں ہے جس طرح اس کا دادا ہوا کرتا تھا۔ انہی خاندانوں میں کچھ پڑھے لکھے لوگ بھی آ گئے ہیں۔ پھر دینی تحریکوں کا اپنا ایک Contribution ہے۔ چاروں طرف قال اللہ اور قال الرسول کی فضا کو عام کیا ہے' جس کے باعث ہر جگہ افراد کے لحاظ سے تبدیلی آئی ہے۔ انہی کے خاندانوں میں دوسرے' تیسرے نمبر کا آدمی کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ جاگیرداروں کو ہرانے اور ان کو بے دخل کرنے میں نوجوان قیادت نے بھی جگہ جگہ پر کام کیا ہے۔ بلکہ میرے نزدیک یہ جو کالج' یونیورسٹی کے الیکشن ختم ہو گئے۔ یہ بڑا غلط ہوا۔ اگرچہ ضیاء الحق نے ان کو ختم کیا تھا۔ بعد میں بھی کسی نے ان پر پابندی ختم نہیں کی کیونکہ یہ صورت سب کو سوٹ کرتی تھی۔ بے نظیر آئی تو اس کو بھی یہ سوٹ کرتا تھا کہ جیتنا تو جمعیت کو ہے۔ پھر نواز شریف آئے تو ان کو بھی یہ پسند تھا کہ یہ نہ ہو کیونکہ جیتنا تو جمعیت کو ہے۔ اگر یہ الیکشن ہو رہے ہوتے اور پنجاب یونیورسٹی کے دس' بیس سابق صدور معاشرے میں موجود ہوتے تو اس کا مطلب تھا کہ ہر جگہ پر ایک پاپولر قیادت کے لیے جگہ اور گنجائش موجود تھی۔ اگر یہ سلسلہ چلتا رہتا تو آج صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔ بہر حال جاگیردار طبقے میں سے بھلے لوگوں کو ساتھ ملا کر اور معاشرے کے اندر ظلم کے خلاف بھرپور تحریک اٹھا کر دونوں طریقے سے دینی جماعتیں جاگیردارانہ مظالم سے عوام کو نجات دلا سکتی ہیں۔

سوال: 1985ء سے لے کر اب تک پانچ انتخابات ہوئے ہیں۔ پنجاب جو بہت بڑا صوبہ ہے' اس میں جماعت صرف ان انتخابات میں زیادہ نشستیں حاصل کر سکی' جس میں اسے نواز شریف کی حمایت حاصل تھی۔ جماعت اسلامی اپنے ووٹرز کی تعداد میں کیوں اضافہ نہ کر سکی؟

جواب: دیکھئے ہم اب تک بہت سے مراحل سے گزر آئے ہیں۔ اگر آپ 85ء کی بات کرتے ہیں تو بیس سال میں اب تک کا سفر ہم نے بڑے تجربوں کے ساتھ کیا' پہلے گاڑی فرسٹ گیر میں تھی' سیکنڈ گیر میں بھی رہی' اب ٹاپ گیر میں ہے۔ الحمد للہ اس کے نتائج نظر آ رہے ہیں اور لوگوں کو سرپرائز بھی مل رہے ہیں۔ جس کے جو بھی زائچے اور تجزیے تھے' وہ سب الٹ ثابت کیے متحدہ عمل نے۔ بہر حال یہ تو مختلف مراحل ہیں اجتماعی دائرے کے۔ لیکن اپنی سوسائٹی کے حوالے سے ہم نے اکیلے بھی تجربہ کیا ہے۔ اتحادی سیاست پر بھی تجربہ کیا ہے۔ اتحادی سیاست تحریکیں چلانے کے لیے بھی کی ہے اور اتحادی سیاست انتخابات لڑنے کے لیے بھی کی ہے' سیکولر لوگوں کے ساتھ بھی کی ہے' دینی لوگوں کے ساتھ بھی کی ہے۔ ہم متحدہ مجلس عمل تک بڑے تجربات کے بعد پہنچے ہیں جو اپنی جگہ پر نتیجہ خیز بھی ہے۔ پہلے جو ہوتا رہا اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً ووٹر کی یہ بڑی نفسیات ہے کہ وہ کسی ہارتے ہوئے آدمی کو ووٹ نہیں دینا چاہتی یعنی وہ کہے گا کہ آپ بہت اچھے آدمی ہیں لیکن میرا ووٹ تو ضائع ہو جائے گا لہٰذا میں دوسرے لوگوں میں سے کسی کو دیتا ہوں' میری مجبوری ہے میں آپ کو نہیں دے سکتا۔ لیکن متحدہ مجلس عمل کے بننے سے لوگوں میں اعتماد بڑھا ہے کہ ہمارا ووٹ ضائع نہیں ہوگا۔ ہم ان کے امیدوار کو ووٹ دیں گے' وہ امیدوار جیت بھی سکتا ہے یا ہم کوشش کریں گے کہ یقینی طور پر اس کو جتوائیں۔ بہر حال الیکشن کی نفسیات صحیح اور غلط ہونے سے قطع نظر اس نفسیات پر پورا اترنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہم بعض شرائط کو پورا کرنے کے نتیجے میں وہ کچھ حاصل کر سکیں جو ہمیں حاصل کرنا ہے۔

سوال: 2002ء کے انتخابات میں تمام اسلامی جماعتوں نے متحد ہو کر ایم ایم اے کے جھنڈے تلے الیکشن لڑا اور نشان کتاب تھا' جو اسلامی نظام کا اشارہ ہے۔ اس اتحاد نے اسلام کے حوالے سے اب تک کیا کام کیا؟

جواب: صوبہ سرحد میں جو ایم ایم اے کی حکومت ہے انہوں نے وہاں اسلامی نظام کے حوالے سے کافی کام کیا ہے' وہاں پروٹوکول کا کلچر ختم ہو گیا۔ سارے وزیر اور سارے ایم پی اے ہر وقت Available ہیں۔ پانچ وقت مسجد کے اندر نماز میں بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کے گھر اور دفتر کے دروازے کھلے ہیں۔ اب تک ڈھائی سال کم و بیش گزر چکے ہیں۔ اگر ایم ایم اے کی حکومت کے حوالے سے عوام میں کسی درجے میں بھی تحفظات موجود ہوتے' تو یہ لوگ جو ہر وقت دستیاب ہیں' کوئی سیکیورٹی گارڈ ان کے پاس نہیں' ان کے خلاف اب تک درجنوں سکینڈل اخبارات شائع کر چکے ہوتے کہ کسی نے کسی کا گریبان تھام لیا' کسی نے کسی کو تھپڑ مار دیا' کسی نے کسی کو دھکا دے دیا' یا کوئی کہتا میرا کام نہیں ہوتا' لیکن ایسا کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ہوا ہے' تو یہ خود اس کی دلیل ہے کہ عوام سے رابطہ بھی اچھا ہے اور جو ایم ایم اے کا کیس ہے عوام اس کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کی کارکردگی کو سراہتے بھی ہیں اور ان کے ساتھ چلتے بھی ہیں۔ کام تو ہوتے بھی ہیں' نہیں بھی ہوتے۔ لیکن ان کو معلوم ہے کہ جو کام نہیں ہوا ہے اس کی دلیل کیا ہے' اور جو کام ہو رہے ہیں اسے وہ Appreciate کر رہے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ کہ جہاں خوانین کا کلچر ہے اور جہاں Vip پروٹوکول کلچر ہے اس کلچر سے لوگوں کو نجات مل گئی ہے۔ وہاں تمام صاحبان اقتدار Approachable ہیں۔ سارے وزیروں سے بات چیت ہو سکتی ہے۔ خالص معاشی دائرے کے اندر بھی صوبہ سرحد ایک ایسا صوبہ ہے جو پورے ملک میں بھی اور ملک کے باہر بھی جفاکش لیبر فراہم کرتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی بیمار صنعتوں کو چالو کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک درجے میں اس کے اندر کامیابی ہوئی ہے۔ اس کے نتیجے میں صوبے کے اندر روزگار فراہم ہوا ہے۔ اب ایک بڑی تعداد باہر جانے کی بجائے ملک کے اندر مقیم ہے۔ اسی طرح کم از کم 256 ارب روپے ہیں صوبہ سرحد کے جو مرکز کے ذمہ واجب الادا ہیں۔ یہ صوبے کا قرض ہے۔ اگر اتنے پیسے نہ ہوں تو بجٹ تو سو فیصد فیل ہو جائے گا لیکن بجٹ فیل نہیں ہوا انہوں نے بغیر نئے ٹیکسز لگائے بجٹ کو چلایا' ہے اور لوگوں کی ضروریات کو پورا کیا ہے۔ وہاں ضلعی سطح پر ہسپتال بھی بن گئے ہیں۔ سکول کی تعلیم کی سہولت بھی وہاں پر ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ قانون کے دائرے میں بھی لوگوں کو سہولت وہاں پر میسر آ گئی ہے۔ یہ ایک پورا نیٹ ورک ہے۔ جو پورے صوبے کے اندر اس حوالے سے موجود ہے۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں حسبہ ایکٹ کے حوالے سے کام ہوا ہے اگر یہ حسبہ ایکٹ پاس ہو جاتا ہے جو سارے مراحل سے گزر چکا ہے یعنی گورنر کے پاس جا چکا ہے۔ گورنر نے پھر اپنی طرف سے نظریاتی کونسل کو بھیج دیا۔ اب یہ بل اسمبلی میں پیش کر کے اس کو منوا سکتے ہیں۔ اسی طرح صوبہ سرحد حکومت کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ تمام اہم ⇦

ایشوز پر پوری حزب اختلاف اس کا ساتھ دیتی ہے۔ یہ پہلی دفعہ تاریخ کے اندر ہوا ہے۔ بلکہ یہ جو مرکز سے 356 ارب روپے صوبہ سرحد حکومت کو لینے ہیں۔ پروفیسر خورشید صاحب جو سینیٹر رہ چکے ہیں سرحد سے' ان کی سربراہی میں کمیٹی ہے جس میں تمام پارٹیوں کے لوگ شامل ہیں اور جو لوگ صوبائی خودمختاری' صوبائی حقوق کے حوالے سے یا قوم پرستی کے حوالے سے تحریک چلاتے تھے۔ ہماری حکومت نے ان سب کو اس کمیٹی میں شامل کیا ہے۔ یہ بھی دیکھئے کہ سینٹ کا الیکشن ہوا ہے۔ متفقہ طور پر ایم ایم اے کا امیدوار منتخب ہو گیا۔ اس کا سبب یہ بھی ہے کہ اکثریت ہماری ہے۔ لیکن اکثریت کا سب مل کر مقابلہ کرتے ہیں۔ حزب اختلاف کی تمام پارٹیاں جمع ہو جائیں گی۔ لیکن ہماری حکومت نے لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا رویہ رکھا ہے اور معاملات میں احساسِ شرکت پیدا کیا ہے کہ اب ان کے لیے اس آپشن میں فائدہ ہے کہ سرحد حکومت کا ساتھ دیں۔ حالانکہ ان کے لیے ہمیشہ یہ آپشن بڑا مضبوط اور مثبت آپشن ہوتا ہے کہ وہ حکومت کا ساتھ دیں لیکن ماضی میں ایسا نہیں ہوا۔ اب آیئے اسلامی نظام کے حوالے سے سب سے اہم معاملے کی طرف۔ دورِ حاضر میں اسلامی نظام کے لیے اسلامی دستور اولین شرط ہے۔ یہ کام تو ہم نے اس وقت بھی کیا تھا جب ہم اسمبلی کے اندر صرف چار تھے۔ یعنی جب 1973ء کا دستور بنا ہے اس وقت پروفیسر غفور صاحب بھی سیکرٹری جنرل تھے اور جماعت کی پارلیمانی پارٹی کے لیڈر تھے۔ 1973ء کے دستور میں ان کا جو Contribution ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو سے جس نے کہ دستور پیش کیا تھا کہ سوشلزم ہماری معیشت ہے اس سے 73ء کا دستور منظور کرایا۔ ہمارے نزدیک تو اگر اس پر پورے طریقے سے عمل کیا جائے تو اسلامی نظام کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔ اگر ہم بھٹو کو بھی اس طرف لے کر آئے تو اس کا مطلب ہے کہ جب ہم پارلیمنٹ میں کم تھے تب بھی ہماری کارکردگی بہت اچھی تھی' اور ہمیں ان ترجیحات کا اندازہ تھا کہ اسلامی نظام شروع کہاں سے ہوتا ہے اور اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے۔ قوانین اور آئین کے دائرے میں کیسے اس کو ہینڈل کیا جاتا ہے۔ آج بھی صورت یہ ہے کہ 1973ء کے اس دستور کی بحالی کے لئے ہم اس وقت بھی کوشاں ہیں کیونکہ وہ عملاً فنکشنل نہیں ہے۔ اگر وہ فنکشنل ہو تو جنرل صاحب بیک وقت صدر اور چیف آف آرمی سٹاف نہیں رہ سکتے۔ اس حوالے سے حکمران پارٹی سے ہمارے رابطے ہیں اور یہ جو تین وزیراعظم یکے بعد دیگرے آئے ہیں۔ ان سب سے ہم نے یہ بات کہی ہے کہ وہ خود اپنے اندر چھوٹا موٹا محمد خان جونیجو پیدا کریں اور کوئی سٹینڈ لینے کی کوشش کریں تو ہم بھی ان کا ساتھ دیں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام کے لیے اس وقت بھی ہمارے ملک میں 73ء کے دستور پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جانا ضروری ہے۔ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی جو سفارشات تھیں اب تو ان کا انہوں نے حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے تک جو اسلامی نظریاتی کونسل کی Recommendations تھیں انہیں فلور آف دی ہاؤس پر آنا چاہیے۔ وہ معیشت کے دائرے میں بھی ہیں' ذرائع ابلاغ کی اصلاح کے بھی ہیں' معاشرت اور تعلیم کے حوالے سے بھی ہزاروں کی تعداد میں سفارشات ہیں' ان پر عمل درآمد کیا جائے۔ اور جو شرعی عدالت تھی اور اس کے جتنے بھی فیصلے اس وقت تک آئے تھے' ان کو Follow کیا جائے۔ اس طرح ایک چھوٹے موٹے اسلامی نظام کے تجربے کی طرف ہم بڑھ جائیں گے۔ عملاً جو حالات اس وقت ہیں اس میں ہم اس تجربے سے گزر رہے ہیں کہ فی الوقت جتنی آپ کی قوت میں اضافہ ہو اور جتنی آپ کی بات مانی جائے۔ اس کا امکان بڑھتا ہے کہ آپ نئی چیزیں لے کر آتے ہیں اور نئے حالات کے مطابق اس کے اندر تبدیلی لاتے رہیں۔ اس وقت صورت یہ بھی ہے کہ ان گنت منفی چیزیں ہیں کہ جن کو روکنے کا کام بھی مجلس عمل اپنے تئیں یا دوسری جماعتوں کے تعاون سے کرتی ہے۔ توہین رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کا مسئلہ آ رہا ہے۔ اس آرڈیننس کے حوالے سے ہماری طرف سے ایک مسلسل پریشر ہے اسمبلی کے اندر اور باہر۔ اور یہ جو پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ ہے اصل میں نوے فی صد لوگ جو اس کے حامی ہیں ان کو بھی پتا نہیں ہے کہ مسئلہ ہے کیا۔ یہ تو زیادہ سے زیادہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ قادیانیوں کو سعودی عرب جانے سے روکنے کا مسئلہ ہے۔ ہمارے وزیراعظم صاحب نے یہ بات کہی تھی کہ میں نے تیس ملکوں کے پاسپورٹ دیکھے ہیں سعودی عرب سمیت کسی کے پاسپورٹ میں کوئی مذہب کا خانہ نہیں ہے۔ پہلے لوگ اس کا جواب نہیں دے پاتے تھے کہ اگر سعودی عرب میں نہیں ہے تو پھر یہاں کیا ضرورت ہے۔ دیکھئے بات یہ ہے کہ وزیراعظم صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ پوری دنیا کے آئینی دساتیر دیکھ لیں' 56,55 آزاد مسلمان ملکوں میں سے کسی کے دستور میں قادیانیوں کو اقلیت نہیں قرار دیا گیا۔ لہٰذا ہمارا ہی فرض بنتا ہے کسی اور کا نہیں کہ قادیانیوں کی شناخت ہو سکے۔ کیونکہ قادیانی یہیں پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارے ساتھ رہتے ہیں اس لئے یہ تو ہمارا فرض بنتا تھا کہ ہم دنیا کو بتائیں کہ یہ مسلمان نہیں ہیں اور جب ہم یہ بتائیں تو پھر ہم پاسپورٹ میں مذہب کا خانہ بھی رکھیں تا کہ ہمارے پاسپورٹ سے پتہ چل جائے کہ یہ قادیانی ہیں اور یہ حضور ﷺ کی رسالت پر اور ختم نبوت پر ایمان نہیں رکھتے۔ حالانکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایم ایم اے نان ایشوز پر باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ پاسپورٹ میں تیس سال سے مذہب کا خانہ تھا۔ اگر وہ نان ایشو تھا تو ڈالا کیوں تھا۔ اسی طرح میراتھن ریس کا معاملہ ہے۔ ہم نے مختلف ایشوز پر سٹینڈ لیا۔ کم از کم سیکولر اور لبرل لابی خوفزدہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم وہ کام نہ کریں جس سے معاشرے میں انارکی پھیلے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جو بھی activity یا سرگرمی ہے وہ قانون کے دائرے میں کرنا مفید ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ آپ کمزور ہیں اور آپ کے پاس بندوق نہیں ہے۔ آج کل بندوق بھی دستیاب ہے اور کمزور کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن تحریکوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے' تاریخ کا بھی سبق یہ ہے اور خود شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ قوت کے ذریعے سے اپنی بات نہ منوائیں۔ بلکہ آپ دلائل کے ذریعے سے ذہنوں کی آبیاری کے ذریعے سے اپنے موقف کو منوائیں۔ قوت کا اظہار اپنی جگہ پر اچھا ہے لیکن وہ ہو گا جب سیکولر اور لبرل تحریکیں' اسلام دشمن تحریکیں واقعی آپ کی لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ سمجھنے لگ جائیں پھر تو ٹھیک ہے' لیکن فی الحقیقت قوت کا استعمال معاملات کو بگاڑتا ہے' سدھارتا نہیں ہے۔

❁❁ ضرورت رشتہ ❁❁

☆ کراچی میں رہائش پذیر 24 سالہ رفیقہ تنظیم اسلامی' تعلیم MA (فائنل ایئر) ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس اور عربی گرامر سے فارغ التحصیل' شرعی پردے کی پابند کے لیے فعال تحریکی لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ لاہور: 0300-2920107-6676084

کراچی: 0300-2456326-6943151

☆☆☆

☆ کراچی میں مقیم 28 سالہ لڑکی' تعلیم ایف اے' رنگ صاف گورا اسپیکنگ کے لیے دینی ذہن رکھنے والے نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: 0300-2118139 (021)2730297

☆☆☆

☆ سرگودھا کے جٹ زمیندار خاندان کے رفیق تنظیم کو بیٹے' عمر 23 سال' انڈر میٹرک' بھائی کے ساتھ اپنی دکان کے لیے موزوں رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ریاض احمد گھمن: (048)3215940-3223355

☆ دعائے صحت کی اپیل ☆

ہمارے ایک سینئر اور بزرگ رفیق محترم جناب غوث الرحمٰن صاحب تنظیم دیر ایک عرصہ سے تشویشناک بیماری میں مبتلا ہیں۔ رفقاء وقارئین ندائے خلافت سے اُن کیلئے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

''ندائے خلافت'' کے قارئین کرام یہ شمارہ موصول ہونے کے تین دن کے اندر بذریعہ ای میل یا خط ہمیں بھی بتائیں:

وہ کون تھا؟

سید قاسم محمود

ایک بار ڈائرکٹر آف ایجوکیشن ان کے مڈل سکول کے دورے پر آئے۔ اُن کے ڈھیلے ڈھالے لباس پر' جو سنت کے مطابق تھا' خوب تنقید کی اور پوچھا: ''تم نے یہ لباس کیوں پہن رکھا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا: ''اس لیے کہ یہ سنت ہے''۔

ڈائرکٹر نے کہا: ''کیا تم نے دوسری تمام سنتیں پوری کر لی ہیں اور صرف لباس والی سنت باقی رہ گئی تھی؟''

انہوں نے عرض کیا: ''نہیں' دوسری سنتیں کہاں پوری ہو رہی ہیں۔ ہم اس معاملے میں بڑی کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں' لیکن جتنا کچھ ہم سے بن سکتا ہے' وہ تو کر ہی رہے ہیں''۔

ڈائرکٹر نے فہمائشی انداز میں کہا' ''لیکن یہ نرالا بھیس اختیار کر کے تم نے ڈسپلن توڑا ہے''۔

انہوں نے عاجزی سے پوچھا: ''وہ کیسے جناب؟'' سکول کا ڈسپلن ہے باقاعدگی' سو میں کبھی بے قاعدگی نہیں کرتا' غیر حاضری نہیں کرتا۔ سکول کا ڈسپلن ہے اچھا کردار' اچھا اخلاق' سو الحمدللہ تمام اساتذہ مجھ سے خوش ہیں۔ سکول کا ڈسپلن ہے' تعلیم اور محنت۔ سو جناب والا' میں اپنی جماعت میں ہمیشہ اوّل آتا ہوں''۔

اس پر ڈائرکٹر صاحب نے زچ ہو کر کہا: ''میاں' جب تم فارغ ہو کر نکلو گے اور اپنے اس لباس پر بضد رہو گے تو بورڈ آف ایجوکیشن تم کو کبھی ٹیچر مقرر نہیں کرے گا''۔

انہوں نے کہا: ''جناب' جب وہ وقت آئے گا تو بورڈ بھی آزاد ہو گا اور میں بھی آزاد ہوں گا۔ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بورڈ کے ہاتھ میں ہے نہ وزارتِ تعلیم کے ہاتھ میں''۔

ساتویں جماعت کے طالب علم سے یہ جواب سن کر ڈائرکٹر صاحب سکتے میں آ گئے۔ سکول کے پرنسپل نے موضوع بدلنے کی خاطر بچے کا تعارف بہت اچھے الفاظ میں کروایا' اُس کی ذہانت' متانت اور شائستہ اطوار کی تعریف کی اور یوں ڈائرکٹر صاحب کی جان چھوٹ گئی۔

یہ ذہین و متین طالب علم جمعہ کی تعطیل کے دن اپنے گاؤں ضرور جاتا' اور دن بھر کا معمول اس طرح بناتا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو۔ اس دوران میں گھڑی سازی اور جلد سازی کا کام بھی سیکھتا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں فقہ' حدیث اور صَرف و نحو کی کتابیں اپنے شوق سے اپنے اساتذہ کے گھر جا کر پڑھتا۔ چھٹیوں میں یہ معمول بھی رہا کہ فجر سے پہلے بیدار ہو کر گھر سے نکل جاتا اور مؤذنوں کو فجر کی اذان دینے کے لیے بیدار کرتا۔ بڑے ہو کر اُس نے اپنی سوانح عمری میں لکھا:

''مؤذنوں کو فجر کی اذان کے لیے بیدار کرنے کے بعد میں ایک گہری مسرت میں ڈوب جاتا۔ انہیں بیدار کرنے کے بعد اُسی جادو اثر اور جذبہ خیز حالت میں دریائے نیل کے کنارے جا کھڑا ہوتا اور اذان کی آوازیں سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو جاتا۔ میرا دل کہتا' نمازیوں کی اتنی بڑی تعداد کی بیداری کا میں بھی ذریعہ بنوں گا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق مجھے بھی نمازیوں کے برابر اجر ملے گا' کہ جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے' اُسے اس کا بھی اجر ملتا ہے اور اُس کی نیکی کا اجر بھی جو قیامت تک اس پر عمل پیرا رہے اور اس سے اُن کے اجر میں ذرہ برابر کمی نہ ہو گی۔ یہ لذت و سعادت دو چند ہو جاتی جب میں مسجد جاتا اور اپنے آپ کو مسجد میں بیٹھنے والوں میں سب سے کم عمر پاتا۔ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے''۔

جب تین سالہ کورس کے اختتام پر نتیجہ کا اعلان ہوا تو وہ اپنے سکول میں اوّل اور پورے ملک میں پانچویں نمبر پر آیا۔ سکول میں اوّل آنے پر ایک پاؤنڈ ماہوار وظیفہ شروع ہوا۔ وظیفے کے ان پیسوں سے وہ کتابیں خریدتا' پڑھتا اور اس کے ساتھ ساتھ روحانی اجتماعات اور دینی دروس میں بھی باقاعدگی سے شرکت کرتا رہا۔ گھریلو اقتصادی حالات ناگفتہ بہ تھے' اس لیے گھڑی سازی کا کام سکول کے بعد بھی جاری رہا۔ بقیہ وقت مطالعے میں گزرتا۔ اس زمانے کے حالات کے بارے میں اُس نے اپنی خودنوشت میں لکھ رکھا ہے:

''ہمارے ساتھی ہر وقت عبادت میں مشغول ہوتے تھے' لیکن پھر بھی ہم علم اور مطالعے کے عاشق تھے اور اُن تمام باتوں سے نفرت تھی جو دین اور اس کے احکام کے خلاف تھیں۔ ہم اُن لوگوں پر سخت نکتہ چینی کیا کرتے تھے جو نام نہاد تصوف کے لبادے میں اسلامی تعلیمات سے بے گانہ ہو رہے تھے۔ گویا فکری لحاظ سے ہم آزاد قسم کے مرید تھے' اگرچہ عبادت کی اہمیت' ذکر و فکر اور ادب و سلوک میں ہم پوری طرح مخلص تھے''۔

یہ لڑکا بڑا ہو کر بیسویں صدی میں دنیائے اسلام کی ایک عظیم شخصیت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔ وہ کون تھا؟

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیرِ نگرانی ادارہ

ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابلِ اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹرا ساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ/ ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

النصر لیب: 950۔بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور
فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

بانی تنظیم کا دورہ بہاولپور

میں نے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا پہلا درس قرآن مسجد دارالسلام لاہور میں سنا تھا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً کیسٹ کے ذریعے ڈاکٹر صاحب کے مختلف خطابات سننے کا موقع ملتا رہا۔ لیکن دل میں یہ شدید خواہش تھی کہ بہاولپور میں بھی ڈاکٹر صاحب کا کوئی پروگرام ہو۔ الحمدللہ ڈاکٹر صاحب 16 مئی کو بہاولپور تشریف لائے اور اسلامیہ یونیورسٹی میں "ختم نبوت کے دو مفہوم" کے موضوع پر لیکچر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب نہایت متاثر کن اور فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار تھا۔ اُن کا ایک ایک لفظ دل و دماغ پر اثر چھوڑتا گیا۔ دین کے معاملات میں جو مہارت اور عبور ڈاکٹر صاحب کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ ہم سب گھر والوں نے نہایت ذوق و شوق سے ڈاکٹر صاحب کا خطاب سنا۔ ڈاکٹر صاحب جس خلوص اور دل کی گہرائیوں سے دین کے خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

(اہیہ علی رفیق تنظیم اسلامی بہاولپور)

امیر تنظیم محترم اور ناظم اعلیٰ کا دورہ کراچی شمالی تنظیم

9 مئی کی شام امیر محترم اور ناظم اعلیٰ کراچی شمالی تنظیم میں تشریف لائے۔ پروگرام کے آغاز میں مقامی امیر نے شمالی تنظیم کا تفصیلی تعارف کرایا۔ اس کے بعد امیر محترم نے تمام رفقاء کا فرداً فرداً تعارف حاصل کیا خصوصی طور پر نقباء نے اپنے تعارف میں اپنے علاقہ، رفقاء کی تعداد اور پروگراموں کی تفصیل بتائی۔ حال ہی میں بانی محترم کے شمالی تنظیم میں خطاب عام بہ عنوان "رسولِ انقلاب کا طریقِ انقلاب" کے بارے میں ناظم اجتماع خبیب عبدالقادر صاحب نے پروگرام کی منصوبہ بندی اور تیاری کے بارے میں آگاہ کیا کہ کس طرح رفقاء نے جذبۂ محنت اور لگن سے دن رات ایک کر کے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے محنت کی۔ امیر محترم نے ان کے جذبہ اور محنت کی تحسین فرمائی اور دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرمائے۔ (آمین) انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہماری تمام کاوشوں میں اللہ کی رضا اور نجات اُخروی سامنے رہنا چاہیے۔ اس کے بعد امیر تنظیم نے اختتامی خطاب فرمایا۔ جس میں آپ نے سورۂ تغابن کی روشنی میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سہ نکاتی لائحہ عمل دیا ہے اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا جائے یعنی اپنی ذات پر دین کو قائم کیا جائے جس کے لیے ہمیں اپنے نفس سے جہاد کرنا ہوگا۔ دوئم یہ کہ سنو اور اطاعت کرو۔ ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ مسلمان ایک Diciplind زندگی گزارے۔ وہ اجتماعیت سے اپنا تعلق مضبوط کرے جو پروگرام اجتماعیت دے رہی ہو اُس کو ترجیح دے۔ سوئم لائحہ عمل انفاق ہے انفاق کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں کم از کم سات سو گنا ہے یہ جہاد بالمال ہے یہ نفاق کا علاج ہے جو دنیا اور مال کی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔

امیر محترم کے خطاب اور نمازِ عشاء کے بعد امیر محترم نے رفقاء سے مسنون بیعت لی۔

(مرتب: واحد علی رضوی)

سہ روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

22 تا 24 اپریل مرکزی ناظم دعوت جناب رحمت اللہ بٹر صاحب اور مرکزی نائب ناظم دعوت جناب محمد اشرف وصی صاحب اُسرہ پھالیہ میں بغرض دعوت و تربیت تشریف لائے۔ اس سہ روزہ کی تنظیم و تربیت اور مختصر روداد حسب ذیل تھی:۔

22 اپریل 2005ء بروز جمعۃ المبارک (پہلا دن)

1۔ جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے جامع مسجد مہاجرین ہیلاں روڈ پھالیہ میں خطاب جمعہ کے لیے "ایمانیات ثلاثہ" کا عنوان منتخب کیا اور سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کی روشنی میں ایک گھنٹہ تک مفصل خطاب فرمایا جسے سامعین کی ایک کثیر تعداد نے پوری توجہ اور گہرے انہماک سے سماعت فرمایا۔

2۔ جناب محمد اشرف وصی صاحب نے جامع مسجد الفیصل پھالیہ میں خطاب جمعہ کا حق ادا کر دیا' ان کے خطاب کا موضوع "مقصد آمد مصطفےٰ اور دین کے تقاضے" تھا۔

3۔ ناظم حلقہ گوجرانوالہ جناب شاہد رضا صاحب نے جامع مسجد جٹاں والی پھالیہ میں "نظام عدل وقسط کے قیام کی اہمیت" کو موضوع خطاب بنایا۔ سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الحدید کی منتخب آیات کی روشنی میں اپنے موضوع کو واضح کیا۔

4۔ نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد محترم رحمت اللہ بٹر صاحب کی رفقائے تنظیم کے ساتھ ایک نشست ہوئی۔ انہوں نے رفقاء سے دعوت کے ضمن میں حائل مشکلات کے بارے میں استفسار فرمایا اور پھر ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے رفقاء کو عملی طریقے بتائے۔ انہوں نے رفقاء کے سوالات کے جوابات بھی دیے۔

5۔ محترم محمد اشرف وصی صاحب' ناظم حلقہ جناب رضا شاہد کو ہمراہ لے کر پھالیہ سے آٹھ دس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ان کے آبائی گاؤں موضع ہیلاں تشریف لے گئے جہاں انہوں نے نمازِ مغرب کے بعد "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً 30 تھی' نمازِ عشاء کی ادائیگی تک وہ واپس پھالیہ تشریف لے آئے۔

6۔ پہلے روز کا آخری پروگرام جامع مسجد افضل اہلحدیث عزیز آباد کالونی پھالیہ میں نمازِ عشاء کے متصلاً بعد جناب رحمت اللہ بٹر صاحب کا درسِ قرآن تھا تقریباً 23 سامعین کو انہوں نے "رب اور مخلوق کے حقوق و فرائض" سے سادہ اور دلنشین انداز میں آگاہ کیا۔

23 اپریل 2005ء بروز ہفتہ (دوسرا دن)

1۔ نمازِ فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد جناب بٹر صاحب نے مسجد مہاجرین میں ایمان بالآخرہ کو زائل کر دینے والے عقیدہ "شفاعتِ باطلہ" کے موضوع پر درسِ قرآن دیا جسے تقریباً 30 افراد نے خصوصی دلچسپی سے سماعت فرمایا۔

2۔ ناشتے کے بعد صبح 9 بجے جناب محمد اشرف وصی صاحب نے ایک چارٹ کی مدد سے "فرائض دینی کا جامع تصور" پر رفقاء کو دلچسپ مذاکرا کرایا۔ دن تقریباً 10 بجے ناظمین صاحبان منڈی بہاؤالدین تشریف لے گئے۔ منڈی بہاؤالدین میں ناظمین نے رفقاء سے ملاقاتیں کیں اور دیگر تنظیمی امور نمٹائے۔

3۔ نمازِ مغرب کے بعد جناب بٹر صاحب نے جامع مسجد مدنی منڈی بہاوالدین میں اور نمازِ عشاء کے بعد جامع سوہادہ بولانی میں "عبادتِ رب" کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ رات تقریباً 11:30 بجے ناظمین کا سہ رکنی قافلہ واپس پھالیہ پہنچا اور مسجد مہاجرین میں قیام فرمایا۔

24 اپریل 2005ء بروز اتوار (تیسرا دن)

1۔ نمازِ فجر کی دائیگی کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے مسجد مہاجرین پھالیہ میں سورۃ الحشر کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات کی روشنی میں ایمان بالآخرہ کے مثبت اور مفید پہلو بیان فرمائے' تقریباً 25 سامعین نے اِس درسِ قرآن سے ایمانی تر و تازگی حاصل کی۔

2۔ صبح 9 بجے محمد اشرف وصی جناب نے فرائض دینی پر مذاکرے کا آغاز فرمایا' جو مختصر چائے کے وقفے کے ساتھ تقریباً ایک بجے تک جاری رہا۔ نمازِ ظہر کے بعد کھانے اور آرام کا وقفہ ہوا۔ نمازِ عصر کی ادائیگی کے فوراً بعد رفقاء کو پھالیہ میں گھنیاں روڈ پر قرآن اکیڈمی کے لیے وقف شدہ پلاٹ پر جمع ہونے کی ہدایت کی۔ یہاں قرآن اکیڈمی کے لیے پلاٹ کے پُر خلوص عطیے کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ محترم میاں غلام سرور صاحب (ریٹائرڈ سکول ٹیچر) اور اُن کے نیک صاحبزادگان ظفر اللہ خان (ملتزم رفیق) عمر فاروق (ملتزم رفیق) طاہر محمود اور محمد آصف نے باہمی مشورے کے بعد گھنیاں روڈ پر واقع اپنے گھر کے بالمقابل ذاتی ملکیتی پلاٹ کا ایک حصہ قرآن اکیڈمی کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ان حضرات کی یہ شدید خواہش تھی اِس پلاٹ پر کوئی دعوتی پروگرام منعقد ہونا چاہیے۔ چنانچہ اِس سہ روزہ کے آخری پروگرام کے لیے اس پلاٹ کو منتخب کیا گیا۔ یہاں 100 آدمیوں کی نشستوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔

نمازِ مغرب کے فوراً بعد سامعین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام نشستیں پُر ہو گئیں جبکہ سامعین کی آمد ابھی جاری تھی۔ پھر رفقاء نے مہمانوں کے لیے نشستیں خالی کرنا شروع کر دیں۔ پھر گھروں سے کرسیاں اور بینچ منگائے گئے۔ لیکن یہ بھی کم پڑ گئے تو پھر سٹیج اور کرسیوں کے درمیان خالی جگہ پر دریاں بچھا کر بیٹھنے کی گنجائش پیدا کی گئی۔

⇦

پروگرام کے آغاز میں راقم سطور نے تنظیم اسلامی کا مختصر تعارف کرایا اور سامعین کو دعوت دی کہ تنظیم اسلامی کے بارے میں تفصیلاً جاننے کے لیے اسرہ کے ہفتہ وار حلقہ درسِ قرآنی (بذریعہ وڈیو) میں شمولیت فرمائیں۔

تعارفِ تنظیم کے بعد جناب بٹر صاحب کو خطاب کی دعوت دی۔ بٹر صاحب نے اپنے ایک گھنٹہ پر محیط خطاب عام میں سامعین کو ''عبادتِ رب'' کا مفہوم واضح فرمایا کہ اقامت دین کے بغیر عبادتِ رب کا دعویٰ خام خیالی ہے۔ لہٰذا اقامت دین کے لیے جدوجہد کرنا اِس وقت تمام روئے ارضی پر بسنے والے تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ لزوم جماعت اِس جدوجہد کی ایک ناگزیر شرط ہے۔

کچھ حضرات نے نمازِ عشاء قریبی غوثیہ مسجد میں باجماعت ادا کی جن میں بٹر صاحب اور راقم بھی شامل تھے۔ کچھ حضرات نے پنڈال سے متصل جگہ پر نمازِ عشاء ادا کی۔ ساتھ ہی ساتھ مہمان سامعین کی تواضع کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ راقم نے کچھ سامعین کو باہمی گفتگو کے دوران بٹر صاحب کے خطابِ عام کی اثر پذیری کا تذکرہ کرتے سنا کہ ''آج ایمان تازہ ہو گیا ہے'' اور ''ایسے پروگرام اکثر و بیشتر ہوتے رہنے چاہئیں''۔

اجتماعِ اسرہ میں اِس سہ روزہ کے تنظیمی امور کا جائزہ لیا گیا خصوصاً اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو اُجاگر کیا گیا تاکہ مستقبل میں منعقدہ کسی ایسے پروگرام میں بہتر منصوبہ بندی کی جاسکے۔

(مرتب: ڈاکٹر مشتاق احمد)

نئے شامل ہونے والے رفقاء سے ایک تعارفی نشست

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور میں نئے شامل ہونے والے رفقاء سے ایک تعارفی نشست 15 مئی بروز اتوار صبح دس بجے جامع مسجد بنتِ کعبہ میں منعقد ہوئی۔ اس تعارفی نشست میں حلقہ لاہور کی دو تنظیم لاہور جنوبی اور لاہور شمالی نمبر 1 میں شامل ہونے والے نئے رفقاء شامل تھے۔

پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ قاری غلام مرتضیٰ صاحب نے سورۂ تغابن کی تلاوت کی اور ترجمہ بھی سامعین کے گوش گزار کیا۔ اس کے بعد امیر حلقہ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب کے تعارفی کلمات کے بعد تعارفی پروگرام شروع ہوا۔ ہر رفیق نے نام' تعلیم' پیشہ' رہائش' تنظیم میں کب شامل ہوئے' بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب یا تنظیم سے تعارف کیسے ہوا' کے عنوانات کے تحت اپنا تعارف کرایا۔ تعارف کا سلسلہ خاصا ولولہ انگیز رہا۔ اس کے بعد لاہور شمالی نمبر 1 کے امیر عبدالرزاق صاحب نے اپنا تعارف کرایا اور بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا تعارف کرایا۔ پھر امیر حلقہ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے اپنے مختصر تعارف کے بعد پروجیکٹر کے ذریعے دینی فرائض کے جامع تصور سے شرکاء کو آگاہ کیا جس کی بنیاد پر تنظیم اسلامی وجود میں آئی ہے۔ پھر لاہور جنوبی کے امیر غازی وقاص صاحب نے اپنا تعارف کرایا اور تنظیم اسلامی کے لوگو Logo سے شرکاء محفل کو آگاہ کیا۔ پروگرام کے آخر میں نئے شامل ہونے والے ہر رفیق کو تعارف تنظیم اسلامی' اسلام کا انقلابی منشور' تنظیم اسلامی ایک اجمالی جائزہ اور دس سٹکرز پر مشتمل ایک سیٹ ہدیہ پیش کیا گیا۔ نماز ظہر کے بعد اجتماعی کھانے کے ساتھ ہی یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

(مرتب: محمد یونس' معتمد تنظیم اسلامی حلقہ لاہور)

تنظیم اسلامی گلشن اقبال کے زیر اہتمام ایک روزہ تعارفی کیمپ

تنظیم اسلامی گلشن اقبال کے زیر اہتمام ایک روزہ تعارفی کیمپ مورخہ 22 اپریل بروز جمعۃ المبارک قرآن مرکز گلزار ہجری میں لگایا گیا۔ جس کا مقصد عوام الناس تک اللہ کے پیغام کو پہنچانا' دین کے انقلابی پہلو کو اُجاگر کرنا اور تنظیم اسلامی کے تعارف سے آگاہ کرنا تھا۔ کیمپ کی کامیابی کے لیے تنظیم اسلامی گلشن اقبال کے رفقاء نے یکم اپریل سے ہی پورے علاقے کا سروے شروع کیا' مساجد میں نمازِ جمعہ کے اوقات نیز کارز میٹنگز کی جگہیں' گھروں اور بازاروں میں دعوت پہنچانے کے لیے 5 ہزار ہینڈ بلز تیار کیے گئے۔

پروگرام کا آغاز صبح گیارہ بجے جناب اشفاق حسین صاحب کی گفتگو سے ہوا جس میں اُنہوں نے رفقاء کو قرآن و سنت کی روشنی میں دعوت دینے کے آداب اور اس کی فضیلت سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد ناظم حلقہ سندھ زیریں جناب انجینئر نوید احمد صاحب نے رفقاء کے 15 گروپس تشکیل دیے ہر گروپ کے ساتھ ایک رہبر اور ایک مقرر تفویض کیا گیا۔ گروپس نے اپنے مقررہ علاقوں میں جا کر ہوٹلوں' دکانوں اور گھروں میں تعارفی کیمپ سے آگاہ کیا نیز نمازِ جمعہ کے بعد مساجد کے باہر لوگوں کو جمع کیا اور ہر گروپ میں سے منتخب کردہ مقرر کی تقریباً 15 منٹ کی دعوتی گفتگو رکھی اور اُن کی شام کے خطاب میں شرکت کی دعوت دی۔ اس دوران تنظیمی بروشر' لٹریچر اور جرائد کی تقسیم بھی کی گئی۔

نمازِ جمعہ کے بعد تمام رفقاء کے لیے طعام کا اہتمام کیا گیا۔ سہ پہر ساڑھے تین بجے سے اذانِ عصر تک ہر گروپ نے اپنے گروپ کی کارگزاری بیان کی اور اپنے ساتھ ہونے والے تجربات سے رفقاء کو آگاہ کیا۔

بعد نمازِ عصر ناظم حلقہ جناب انجینئر نوید احمد صاحب نے سورۃ الاحزاب کی آیت 21 کی روشنی میں ''نبی کریم ﷺ ایک کامل نمونہ'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ آیت غزوہ احزاب کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے جس میں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل ایمان کی آزمائش کی ایسی آزمائش کہ وہ ہلا دیے گئے۔ یہ ساری صعوبتیں نبی کریم ﷺ صرف اور صرف دین کے غلبہ کی جدوجہد کی وجہ سے برداشت کرتے رہے۔ یہ اسوہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو اللہ سے ملاقات کے اُمیدوار ہوں اور آخرت کا یقین رکھتے ہوں اور ہر وقت اللہ کو یاد رکھنے والے ہوں۔ اعلان نبوت کے بعد آپ ؐ نے دو کام مسلسل کیے یعنی ایک دعوتِ دین اور دوسرا اقامتِ دین۔ آج ہم اگر واقعی نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں آپ ؐ کے اس مشن میں اپنا حصہ ڈالنا ہوگا اور اپنا تن من دھن دین کے غلبہ کی جدوجہد میں لگانا ہوگا۔

اس پروگرام میں تقریباً 150 کے قریب رفقاء نے شرکت کی اور تقریباً 120 کے قریب خواتین و حضرات نے شرکت کی۔

(رپورٹ: سلیم الدین)

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ
ساگر ریسٹورنٹ
ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام وطعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے' روشن اور ہوادار کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پلکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295'

فیکس: 0946-720031

عالم اسلام کی خبریں

جمہوری ممالک کی "شاندار کارکردگی"

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی 2004ء رپورٹ سے انکشاف ہوا ہے کہ دنیا کے وہ ملک جو اپنے آپ کو حقوق انسانی کے چیمپئن اور جمہوری روایات کے حامل کہتے نہیں تھکتے' وہی بنی نوع انسان کے خلاف بھیانک ترین جرائم میں ملوث ہیں۔ ان میں امریکا' روس' بھارت اور اسرائیل سب سے نمایاں ہیں۔ رپورٹ میں امریکا سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنا ہے۔ اس میں گوانتاناموجیل خانے کو "ہمارے زمانے کا بدترین دھبہ" قرار دیا گیا ہے جہاں امریکیوں نے مقدمہ چلائے بغیر ان مجاہدین کو قید کر رکھا ہے جو ان کے مطابق دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ ابوغریب جیل میں امریکیوں کا تشدد اس کے علاوہ ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بجا طور پر یہ بات نوٹ کی ہے کہ امریکی "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کی آڑ میں وسیع پیمانے پر انسانی حقوق پامال کر رہے ہیں اور انہیں کھلے عام غنڈہ گردی کرنے کا لائسنس مل گیا ہے۔ رپورٹ میں اس طرف بھی اشارہ ہوا ہے کہ اس جنگ کی آڑ میں دنیا کے کئی ممالک خصوصاً بھارت اور اسرائیل نے آزادی کی تحریکوں کو دہشت گردی کی صورت دے دی ہے اور اب بزور جبر انہیں ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

لوٹ کے بدھو گھر کو آئے

اس بار افغانستان کے صدر حامد کرزئی کا دورہ امریکا کامیاب نہیں رہا کیونکہ دونوں دوستوں کے مابین رنجش جنم لے چکی ہے۔ کرزئی اس بات پر ناراض ہیں کہ افغانستان میں امریکی فوج من مانی کرتی پھر رہی ہے اور افغان حکومت کو خاطر میں نہیں لاتی۔ حال ہی میں بگرام میں امریکیوں نے دو قیدی افغانوں کو تشدد کر کے ہلاک کر دیا ہے جس پر پورے افغانستان میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ افغانیوں کی زبردست تنقید کے باعث ہی کرزئی کو واشنگٹن جا کر کہنا پڑا "افغان شہریوں سے معاملات طے کرنے کے سلسلے میں امریکی فوج کو افغان حکومت کے زیر تحت ہونا چاہیے مزید براں ہمارے مشورے ہی سے افغانستان میں کسی جگہ فوجی آپریشن کیا جائے۔"

امریکا کو اپنی کٹھ پتلی سے ایسے سخت جواب کی توقع نہیں تھی۔ صدر بش نے فوراً جواب دے کر کرزئی کو ان کی اوقات یاد دلوا دی! "افغانستان میں ہمارے فوجی صرف امریکی کمانڈر کا حکم مانیں گے۔"

یاد رہے کہ امن وامان قائم کرنے کے لیے افغانستان میں اٹھارہ ہزار امریکی فوجی مقیم ہیں۔ نیٹو کی افواج اس کے علاوہ ہیں۔ ان فوجوں کی موجودگی کا مقصد یہی ہے کہ افغانستان میں مسائل بزور قوت حل کیے جائیں۔ اس پالیسی نے افغانستان میں بہت سے مسائل کھڑے کر دیے ہیں حتیٰ کہ وہاں پُر تشدد واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکا ہر ماہ 15 ارب ڈالر افغانستان پر خرچ کر رہا ہے۔ اس رقم کا بیشتر حصہ فوج کھا جاتی ہے۔

ریاست فلسطین اور امریکی رویہ

پچھلے ہفتے فلسطین اتھارٹی کے صدر' محمود عباس بھی صدر بش سے ملنے امریکا گئے۔ دونوں کی پریس کانفرنس کے دوران صدر بش نے جو بیان دیئے وہ کافی حوصلہ افزا ہیں مگر امریکا کا ماضی دیکھتے ہوئے' ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ بہر حال انہوں نے کہا کہ اب فلسطین ریاست جلد قائم ہونے والی ہے۔ انہوں فلسطین اتھارٹی کو 50 ملین ڈالر کی امداد دینے کا اعلان بھی کیا اور اسرائیل پر تنقید بھی کی۔ کسی بھی امریکی صدر کے معاملے میں یہ انوکھی بات ہے۔

صدر بش نے اسرائیلی حکومت پر زور دیا کہ وہ فلسطینی علاقوں میں نئی یہودی بستیاں تعمیر نہ کرے اور نہ ہی اس قسم کے دیگر قدم اُٹھائے۔ ان کی مراد اس دیوار سے ہے جو اسرائیل مزید فلسطینی علاقے ہتھیانے کے لیے تعمیر کر رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل غزہ اور مغربی کنارے کے درمیان رابطے ہونے دے کیونکہ یہ اس کی ذمے داری ہے۔ جناب محمود عباس نے اپنے خطاب میں امریکی امن کوششوں کی تعریف کی' تاہم خبردار کیا کہ عرب اسرائیل مسئلہ جلد از جلد حل ہونا چاہیے کیونکہ اب مزید تاخیر کی گنجائش نہیں۔

یاد رہے کہ فی الوقت اسرائیل اور فلسطین کے سامنے کوئی امن منصوبہ موجود نہیں۔ ماضی کے سب امن منصوبے وقت کی گرد میں گم ہو چکے۔ اپریل 2003ء میں بش انتظامیہ نے ایک منصوبہ پیش کیا تھا تاہم 2005ء تک صدر بش اپنے اعلان سے پیچھے ہٹ گئے اور کہا کہ ابھی فلسطین ریاست کے قیام میں دیر لگے گی۔ نیز انہوں نے اسرائیل صدر سے اتفاق کیا کہ اسرائیل مغربی کنارے اور غزہ سٹی کے کچھ علاقوں پر قبضہ برقرار رکھ سکتا ہے۔

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ امریکا عراق اور افغانستان میں جو کچھ کر رہا ہے' اُسے دیکھتے ہوئے امریکی حکومت کے لیے اشد ضروری ہے کہ وہ کوئی مثبت قدم اُٹھائے۔ امت مسلمہ خصوصاً عرب دنیا میں اضطراب اور دہشت پسندانہ کارروائیوں کا سب سے بڑا سبب القدس شریف اور فلسطین پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ہے۔ اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے' تو عالم اسلام کے دیگر مسائل بھی ایک ایک کر کے حل ہو سکتے ہیں۔

دوسری طرف اسرائیل حکومت نے غزہ سے اپنے انخلاء کا منصوبہ ملتوی کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں وہ طرح طرح کے بہانے کر رہی ہے مثلاً یہ کہ یہودی آباد کار انخلا کے خلاف ہیں' پہلے فلسطین مزاحمتی گروہوں کو غیر مسلح کیا جائے' اتھارٹی حماس کے خلاف کارروائی کرے وغیرہ وغیرہ۔ یاد رہے کہ غزہ میں سات ہزار یہودی مقیم ہیں اور انہوں نے غزہ سٹی کے بیس فیصد علاقے پر قبضہ کر رکھا ہے۔ غزہ میں فلسطینیوں کی تعداد پندرہ لاکھ ہے۔

ایرانی انتخابات کی آمد آمد

ایران میں اگلے ماہ' 17 جون کو صدارتی انتخابات ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ریکارڈ 1014 اُمیدواروں میں سے چھ اُمیدوار حصہ لینے کے قابل ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: سابق صدر اکبر ہاشمی رفسنجانی' مہدی کروبی' محمد باقر قلی باف' علی لاریجانی' محمود احمدی اور محسن رازی۔ ان میں سے رفسنجانی دوبارہ ایران کے صدر بن جائیں گے کیونکہ وہی سب سے زیادہ طاقت ور اُمیدوار نظر آتے ہیں۔

ایران نے روس کا یہ منصوبہ مسترد کر دیا ہے جس کے مطابق روسیوں نے ایٹمی ریکٹروں کے لیے ایندھن تیار کرنا تھا۔ روسی حکومت نے یہ منصوبہ اس سوچ کے ساتھ پیش کیا' تاکہ ایران اور یورپی یونین کے درمیان جاری ڈیڈ لاک ختم ہو سکے۔ تاہم ایرانی حکومت نے اِسے نامنظور کر کے ثابت کر دیا کہ وہ کسی قیمت پر اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ دوسری طرف ایرانی حکومت نے یورینیم کی افزودگی کے لیے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

امریکا میں نفرت بڑھ رہی ہے

امریکا میں کونسل آن امریکن۔ اسلامک ریلیشنز کی ایک رپورٹ کے مطابق انتظامیہ پچھلے برسوں کے مقابلے میں امریکی مسلمانوں کے خلاف زیادہ کارروائیاں کر رہی ہیں مثلاً غیر قانونی گرفتاریاں' نظر بندیاں' گھروں کی تلاشیاں' بے جا چھان بین وغیرہ۔

2003ء میں قانون نافذ کرنے والے اداروں سے متعلق واقعات' نفرت کے کُل واقعات میں صرف 7 فیصد تھے۔ لیکن 2004ء میں وہ 26 فیصد تک پہنچ چکے ہیں۔ کونسل کے رہنماؤں نے اس اضافے کا ذمے دار اسلاموفوبیا (اسلام کے خوف) کو قرار دیا ہے جسے بعض مقامی اور قومی رہنما بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ مزید براں وفاقی قوانین اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والی امریکی پالیسی نے بھی اپنے اپنے ہاتھ دکھائے ہیں۔

paradise"

Abizaid's historical analogies to Bolshevik leaders or revolutionary Europe in 1848 are totally misleading Through the distorted lens of history, contemporary problems are presented in a way to justify the never ending wars There is enormous difference between the 19th-century anarchist Prince Peter Kropotkin. who wanted to use revolutionary violence to purge what he viewed as a corrupt order, and those who are working to pave the way for Muslims' living by Islam today

If the revolutionary leaders in the Muslim world are against the corrupt order and tyrants like Islam Karimov, General Musharraf and the kings and sheikhs; if there is a change process underway, why does that bother the US? What is it trying to protect or impose?

Why is the US after the revolutionaries? Why does it want to "kill or capture them"? Is the corrupt order in the Muslim world somehow sustaining the modern Imperium Americanum?

What kind of modernization is this that has taken lives of close to 150,000 Iraqis, Afghans and Americans so far? We know that none of the Iraqis went on a so-called suicide mission to kill fellow Iraqis before the arrival of modern day barbarians in Iraq What made the Iraqis do so: their desire for a "7th century paradise" or their reaction to the 21st century tyranny?

All these 100,000 Iraqis were not "salafist Jihadists" or revolutionaries If this is the count for a couple of years, what if the indefinite crusade continues for decades as envisaged by the war lords?

The new ruses are coming from the "liberal" mouth pieces of the war lords because there is no doubt remaining on the baselessness of earlier justifications for war No one uttered a single word about denying Muslims the right to live by Islam at the time when the air in Washington was full of lies and everyone was busy in inventing more lies to somehow make the "initial stages" of the crusade possible We didn't see Abizaid coming out, as we do now, to declare: "No need to lie We are heading for a long war for 'modernization' of the modern day 'Bolsheviks'?"

The reason is that the war lords in the US wanted to launch the war and they cared less if they had to brazenly lie for that Now that their earlier lies are exposed, they are clearly saying that the threat is the Muslims desire to live by Islam They also add that it is not wise to leave the mess behind In their view things will be in order when there is no aspiration among Muslims left to live by Islam

There are two pertinent questions: Is it possible? And how long would it take? The answer to the first question is: absolutely not The answer to the second question is that the war will continue till the war lords realize that their "modern Imperium Americanum" has slipped from their hands for ever

The question that no one among the American war lords is considering is about the cost They believe the proportion of 1,500 to 120,000 is worth defeating what Abizaid calls "the most despicable enemy I've ever seen"

Keeping in mind the early miscalculations about wining their ideological war, one can safely predict that the worst war of human history is unfolding before our eyes Allowing the American totalitarians to finish their job amounts to granting them a license to wipe out, at least, one quarter of the human population

There will never be anything like what the chief terrorist, General Abizaid, promises the world: "One day you'll wake up and there will be more food, more security, more stability" We have all these things now What is missing is the lack of will on the part of the nihilists in Washington to let others get stabilized for living the way the have to live

---

<u>الحاج سید امین گیلانی</u>

درد دے کر مجھے رونے کا بہانہ دے دے

دل کے بدلے میں جو قاروں کا خزانہ دے دے
میں تو ٹھکرا دوں اگر مجھ کو زمانہ دے دے

میں تو سمجھوں گا یہ ہے تختِ مرا بختِ مرا
اپنی دہلیز پہ تُو مجھ کو ٹھکانہ دے دے

اے مری جان مَیں کیا مانگوں یہی کافی ہے
درد دے کر مجھے رونے کا بہانہ دے دے

غیر کے در پہ مَیں کیوں جاؤں سوالی بن کر
تو مجھے پارچۂ نانِ شبانہ دے دے

اے خدا میں نے بڑی چیز کوئی مانگی ہے؟
فقر دے کر مجھے انداز شہانہ دے دے

مَیں نے کیا کرنی ہے لے کر یہ قبائے دارا
مجھ کو کمبل وہ ابوذرؓ کا پرانا دے دے

گاڑ کر نیزہ میں سو جاتا تھا صحراؤں میں
اے خدا مجھ کو وہی میرا زمانہ دے دے

دے دے واپس وہی انداز وہی شان مری
خاک کا فرش وہ پتھر کا سرہانہ دے دے

مرد جو رکھ نہ سکے قبضۂ شمشیر پہ ہاتھ
ایسے نامرد کو آئینہ و شانہ دے دے

ڈھنگ جینے کا اگر سیکھنا چاہے کوئی
اُس کو پڑھنے کے لیے میرا فسانہ دے دے

میرے اِس درد کو تو سینہ بہ سینہ پہنچا
میرا پیغام یہ تُو خانہ بہ خانہ دے دے

جس میں رہتے تھے بڑے پیار سے باہم یا ربّ
پھر امیںؔ کو تو وہی گھر، وہ گھرانہ دے دے

❁❁

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 20

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeemorg)

Permanent ruse for an indefinite war

Are there some peace-loving people still waiting for the US withdrawal and the end of wars and occupations? If there are, let it be known to everyone that their desire will remain a dream for as long as the most corrupt and tyrannical system of governance survives in the US and allied states

Now that the lies about weapons of mass destruction have been officially admitted, and the situation in Afghanistan is far worse than it ever was under the Taliban, the single most important motivator that led the US into these adventures is being publicly acknowledged

Before discussing the real motivators, let us look at the war lords' liberal mouth pieces and see how they are trying to give us a different ruse for permanent war

In its January 13, 2005 editorial, "Bulletin: No WMD Found," the New York Times writes: "The 1,200 military men and women who were assigned to his search team are now fighting Iraqi insurgents We hope they succeed If they do not, large swaths of Iraq could become a no man's land, where terrorists will be free to work on WMD projects and United Nations weapons inspectors cannot go to thwart them"

The question is where were the terrorists and insurgents before the US invasion? In the final analysis we will see how the New York Times ruse for the war leads to addressing the same objective as the chief terrorists have set for themselves

The war lord, Thomas Friedman, also repeated the same mantra the same day in the New York Times under the title: "Ballots and Boycotts" He concluded: "we have a much greater chance of producing a decent outcome in Iraq by appealing to the self-interest of the Kurds and the Shiites to be magnanimous in victory, than we do of getting the fascist insurgents to be magnanimous in defeat"

So the task is now reduced to defeating "fascist insurgents" But are they just insurgents? Where were they before the US invaded Iraq on the basis of lies?

The day after the lies were officially admitted, the Washington Post was totally silent Washington Time (Jan 13) was silent as well but to promote the permanent ruse, it published an article, "Stay the Course," by Congressman George Allen, who promoted the same ruse in these words:

"These attacks are being carried out by vicious terrorists who detest freedom and aim to push back not just the election, but to keep democratic elections from ever taking place in Iraq Their ultimate goal and victory would be to return Iraq to a repressive state or an intolerant theocracy"

Los Angeles Times was also silent on January i3 However there was an article, The Truth Shall se you back," by Margaret Carlson which on the one hand admitted that "in the Bush administration, you lose your job not for lying but for telling the truth," but on the other hand favoured the Iraq invasion and demanded more troops: "Bush gives those medals to people who keep their mouths shut, like L Paul Bremer III; who got one for not saying until he retired that Bush hadn't sent enough troops to Iraq"

The real objective for the totalitarian nihilists' going to war was openly discussed by General Abizaid a few weeks before the US public acknowledgement of lies Gen John Abizaid, whom the Washington Post Editor, David Ignatius, could not pump any more than he did in his December 26, 2004 column, is like any of the doomed commanders in history – busy dreaming conquering the world and achieving the impossible for their masters

For each Abizaid of the past there were many Ignatius to keep them reminding that they command "the most potent military force in history" However, all those potent forces melted like wax in their respective ages when they undertook "Long War" that Abizaid is keenly looking forward to keep fighting for decades

Ignatius's description of Abizaid's field of action clearly shows the real motive and the target area for the 21st century crusades Besides the title: "Achieving Real Victory Could Take Decades," the language used for such descriptions further smells of a new, indefinite crusade

After spending some time in Abizaid's company, Ignatius describes the battlefield as "the jagged crescent of the Middle East, from Egypt to Pakistan" in a world where "if there is a modern Imperium Americanum, Abizaid is its field general

No one denies that The question, however, is about the real motives and the real enemy David Ignatius asks: "For all of America's military might, the Long War that has begun in the Middle East poses some tough strategic questions What is the nature of the enemy?" In the very next question he identifies the enemy: "What will victory look like, in Iraq and elsewhere in the Islamic world?" Although the war lords identify "Islamic" world as the enemy, but it is actually the Islam-less Muslim world, which is the target The motive is to hold it from becoming Islamic in the real sense

Despite occupying two countries for the last few years and killing around 150,000 people, including Americans, the terrorist in chief, General Abizaid, "believes that the Long War is only in its early stages" Imagine the advanced stages when the objective will be achieved with "modernization of the Islamic world" and its "accommodation with the [capitalist] global economy" (the Washington Post, December 26, 2004, page B01)

It shows the enemy was not Saddam, nor were the WMD a threat Like Galloway, many are reminding the war lords that there was no Iraq connection to 9/11; there were no WMD; Saddam was not a threat and so on Others are pleading naively to end the occupation and bring back the troops

Terrorist minds have a different view and different real objectives General Abizaid has been clearly telling that his forces are out there to crush those who "try to re-create what they imagine was the pure and perfect Islamic government of the era of the prophet Muhammad"

To the 21st century crusaders, invading and occupying Iraq and Afghanistan are just "the early stages" of a "long war" in the "loose network of like-minded individuals who use 21st century-technology to spread their vision of a 7th-century paradise"

Is it now clear enough for those who want their kids back from Iraq? It was not a war on WMD or Saddam or a mission for democracy and freedom in the first place It is a war on "7th century